بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر بورڈ کا پیغام

الحمد للہ رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد ، و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین، أما بعد :

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام جس ضرورت اور جن اسباب کی بنا پر عمل میں آیا تھا وہ ضرورت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، کچھ کچھ وقفوں سے ایسے حالات سامنے آتے رہتے ہیں، جن کے سلسلہ میں توجہ نہ کی جائے تو مسلمانوں کا اپنے مذہبی آزادی کا اختیار متاثر ہوسکتا ہے، لہذا بورڈ کے ذمہ داروں کا اس پر برابر نگاہ رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان کو ان کے احکام شریعت پر عمل کرنے کی مذہبی آزادی برابر قائم رہے، اور ان کے مذہبی تشخص و تحفظ کو کوئی خطرہ نہ پیش آئے کیوں کہ وہ اقلیت میں ہیں، اکثریتی افراد کی طرف سے کوئی مخالفانہ خیال کارفرما ہوسکتا ہے، کیوں کہ جن ذہنوں میں یکساں سول کوڈ کا تقاضہ ابھرا تھا، ان ذہنوں میں اسی طرح کا کوئی خیال ابھر سکتا ہے، ہندوستان کے دستور نے ملک کے سب مذہبوں کو اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرنے اور اسی کے مطابق کام انجام دینے کا حق دے رکھا ہے، اس حق کو باقی رکھے جانے کی فکر برابر رکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس حق کو بدلنے یا اس پر حکومت وقت کو اپنا اختیار قائم کرنے کی بات سامنے آتی رہتی ہے، ابھی حال میں کئی ایکٹ جو حکومت کی طرف سے لائے گئے، ان سے اقلیت کی مذہبی خود اختیاری کو ضرر پہونچنے کا خطرہ سامنے آ گیا ہے، بورڈ اس سلسلہ میں کوشش جاری رکھے ہوئے ہے، لیکن ایکٹ کو ایسے اسلوب میں مرتب کیا گیا ہے، اور خود مسلمانوں کے بعض دانشور اس کے بعض پہلوؤں کی نقصان رسانی کو محسوس نہیں کر سکے ہیں، اور خاص طور پر وہ مسلمان دانشور جن کا حکومت سے تعلق ہے، ان کے ذہنوں کو بھی اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے، کہ ایسے نئے ایکٹ بننے لگیں، تو ان کو اس نظر سے بھی دیکھا کریں، کہ ملک کے باشندوں میں سے ہر مذہب والوں کو جو مذہبی تحفظ دستور ہند کی رو سے ملا ہوا ہے، وہ ان کے کسی جزء سے متاثر نہ ہو، اس لیے کہ اگر ان کے مذہبی حق پر اثر ڈالنے کا اختیار کسی بھی تجویز یا ایکٹ سے ہوگا، تو جو مذہبی آزادی دستور کی رو سے ان کو حاصل ہے، وہ دوسروں کی پابندی میں چلی جائے گی، اور پھر بتدریج یہاں جو مختلف اقلیتیں اپنے مذہبوں کی آزادی کے ساتھ زندگی گذار رہی ہیں، وہ اپنی مذہبی تعلیمات کو باقی نہ رکھ سکیں گی، بورڈ کو اس پر نظر رکھنے کی اور ضرورت کے مطابق کوشش کرنے کی اور اپنے مذہبی حق کا دفاع کرنے کی ضرورت برابر قائم ہے، اور الحمد للہ بورڈ اس کی فکر کرتا ہے۔

البتہ اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے، کہ بورڈ کے پیش نظر اس طرح کے جو خطرات ہیں، مسلمانوں کے احساس و غیرت دینی رکھنے والے حضرات ان کی اہمیت کو سمجھیں، اور اس کے لیے بورڈ کا ساتھ دیں، اور تائید و تعاون کے ذریعہ کوشش میں شریک ہوں، تاکہ بورڈ کے مقصد کار کو قوت حاصل ہو اور مسلمانوں کو اپنے مذہبی حق کے تحفظ کرنے میں کامیابی حاصل ہو۔

ملت اسلامیہ ہند کے مسائل کی فکر کرنے کے لیے اس ملک میں مسلمانوں کی متعدد جماعتیں قائم ہیں، اور وہ سب اپنی اپنی جگہ ملت کی خدمت انجام دے رہی ہیں، یہ جماعتیں ملت کی اجتماعی ضرورتوں کے مختلف پہلوؤں کو مخصوص طور پر اختیار کرتی ہیں، اور اپنا اپنا مخصوص نقطہ نظر اور بعض بعض اپنا مخصوص مذہبی مسلک بھی رکھتی ہیں، وہ سب ملت کے معاملات کی فکرمندی اور انجام دہی میں اپنے اپنے دائرہ میں حصہ لیتی ہیں، بورڈ کو ان سب کا ایک طرح سے وفاق ہونے کی حیثیت حاصل ہے، البتہ بورڈ نے قوانین شریعت کے مشترکہ بنیادی معاملات تک اپنی کوششوں کو محدود رکھا ہے، وہ ملت کی مختلف جماعتوں کی اپنی اپنی کارگذاری کے مدنظر ملت کے معاملات کے ہر پہلو پر اپنی کوشش صرف کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، جن کو ملت کی جماعتیں اپنی اپنی جگہ اپنا میدان کار سمجھتی اور انجام دیتی ہیں۔

بابری مسجد کا مسئلہ بھی اولا بورڈ کی اصل فکرمندی کا مسئلہ نہ تھا، اس کو ملت کی بعض جماعتیں اپنی کوششوں سے حل کر سکتی تھیں، لیکن جب بات ان کے دائرہ سے آگے بڑھ گئی، تو بورڈ نے اس کو اختیار کیا، اور بورڈ برابر اس کو اپنی ذمہ داری میں لیے ہوئے ہے، اور اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر رہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ نئے اٹھنے والے تحفظ شریعت اسلامی کے مسائل کی طرف توجہ بورڈ کا اصل کام ہے، بورڈ چونکہ ملت کی تمام جماعتوں کے ایک وفاق کی حیثیت رکھتا ہے، لہذا اس کے اختیار کردہ کام میں ملت کے ہر مسلک اور ہر جماعت کی طرف سے اس کو تعاون ملنے کی ضرورت ہے، تاکہ تحفظ شریعت کے کام کی انجام دہی کو تقویت حاصل ہو، اور کامیابی ملے، بورڈ کی کارکردگی جہاں شریعت اسلامی کے قانونی دائرہ کے معاملات کی ہے، وہاں خود ملت کے اندر بھی شریعت پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلانے کی بھی ذمہ داری ہے، جو اصلاح معاشرہ اور قضا کے معاملات میں ملت کو اس کے صحیح شرعی حالت پر قائم رکھنے کی طرف توجہ دلانے کا عملی کام دیتا ہے، البتہ اس کام میں ملت کی دیگر جماعتوں کی شرکت بھی ضروری ہے۔

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

سہ ماہی　　　　نئی دھلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:٦	جنوری تا جون ۲۰۱۲ء	شمارہ نمبر:۲،۳

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط وکتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@gmail.com

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
۲	اداریہ	(حضرت) مولانا سید نظام الدین	۳
● اجلاس عام			
۱	بائیسویں اجلاس عام بورڈ بمقام حج ہاؤس ممبئی کا ایجنڈ اونظام الاوقات	ادارہ	۵
● تاریخ وخدمات بورڈ			
۱	بمبئی کی طرف قافلہ شوق رواں ہے!	(حضرت) مولانا سید محمد ولی رحمانی	۶
۲	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ایک نظر میں	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	۸
۳	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-تعارف اور خدمات	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۰
۴	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات: اغراض ومقاصد کی روشنی میں	مولانا رضوان احمد ندوی	۱۶
۵	مسلم پرسنل لا بورڈ......نئے چیلنج نئے اُفق	پروفیسر ابراہیم خلیل عابدی	۱۹
۶	مسلم پرسنل لا اور شہر ممبئی	مونسہ بشریٰ عابدی	۲۲
۷	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا کارواں منزل کی طرف رواں دواں	وقار الدین لطیفی	۲۵
● ہندوستان اور مسلم پرسنل لا			
۱	مسلم پرسنل لا اور ہندوستان	مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی	۳۱
۲	ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۳۵
۳	ہندوستانی جمہوریت اور مسلم پرسنل لا بورڈ	صفی اختر	۳۷
● اصلاح معاشرہ			
۲	مسلمانوں کے باہمی حقوق	علامہ سید سلیمان ندویؒ	۴۰
۳	دین، اسلام اور شریعت	ڈاکٹر محمد متین الدین قادری	۴۴
۴	ریاست تامل ناڈو اور اصلاح معاشرہ خواتین پروگرام	اے۔امیر النساء	۴۶
● آئینی حقوق			
۱	ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک منزل کی طرف رواں دواں	مولانا محمد نعیم رحمانی	۴۹
۲	کھیتی کی زمین میں عورتوں کا حصہ	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی	۵۲
۳	ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک کی سرگرمیاں	حافظ محمد امتیاز رحمانی	۵۴
ہندوستان اور نظام قضا			
۱	ہندوستان اور نظام قضاء	قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۵۷
۲	ہندوستان میں نظام قضا کا قیام	مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی	۶۰
۳	نظام قضا کا قیام اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات	مفتی محمد فیاض عالم قاسمی	۶۲
● متفرق			
۱	.........مہاراشٹرا کا مجوزہ قانون واپس لیا جائے	محمد عبد الرحیم قریشی	۶۵
۲	مسلم پرسنل لا سے ہم کسی حال میں دستبردار نہیں ہوسکتے	حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	۶۹
۳	مسلم پرسنل لا کو سمجھئے اور اس پر عمل کیجئے	حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ	۷۱
۴	مسلمان شریعت میں ایک نقطہ سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتا!	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۷۴
۵	شریعت اسلامی میں مداخلت کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے	مولانا محمد یوسفؒ	۷۸
۶	اقلیتوں کے حقوق	محمد عبد الرحیم قریشی	۸۳
۷	جنرل سکریٹری بورڈ کا ایک اہم مکتوب	(حضرت) مولانا سید نظام الدین	۸۸

اداریہ ممبئی اور مسلم پرسنل لا بورڈ کا بائیسواں اجلاس عام

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

ممبئی ایک تاریخی شہر ہے، بحر عرب کی لہریں اسے چھوتے ہوئے آگے بڑھتی ہیں؛ اس لئے مسلمان قافلے ابتدائی دور ہی سے یہاں آتے رہے، پھر انگریزوں نے اپنے اقتدار و تسلط کے بعد جن شہروں کو اپنا مرکز بنایا اور جنھیں خاص اہتمام سے بسایا اور ترقی دی، ان میں ایک ''ممبئی'' ہے، بندرگاہ ہونے کی بنا پر اسے شروع ہی سے اقتصادی اعتبار سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور اب شہر اور اس کے مضافات میں صنعتوں کے پھیلاؤ کی وجہ سے یہ شہر ہندوستان کی ''معاشی راجدھانی'' کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

اس شہر کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد بعض عظیم ملی تحریکات کا مبداء رہا ہے، آزادی سے پہلے خلافت کی عظیم تحریک ممبئی ہی سے شروع ہوئی، جس کی گونج ہندوستان سے لے کر عالم اسلام تک سنی جاتی تھی اور جس نے ہندو مسلم اتحاد کی ایک نئی تاریخ رقم کی، اسی طرح آزادی کے بعد سب سے بڑی ملی تحریک ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا قافلہ یہیں ترتیب پایا اور پوری ملت اسلامیہ ہند نے ممبئی سے اُٹھنے والی اس آواز پر لبیک کہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دسمبر ۱۹۷۲ء میں مسلم پرسنل لا کے موضوع پر جو کنونشن منعقد ہوا، وہ ایک عدیم المثال اجتماع تھا، جس نے ملی اتحاد کی ایک نئی طرح ڈالی، پھر اس کے بعد بورڈ کا آٹھواں اور تیرہواں اجلاس (۱۹۸۶ء، ۱۹۹۹ء) اسی شہر میں منعقد ہوا، اُس وقت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا عہد صدارت تھا اور یہ ان کی صدارت میں منعقد ہونے والا آخری اجلاس تھا، اب بورڈ کا بائیسواں اجلاس پھر اسی عروس البلاد میں منعقد ہو رہا ہے اور ایک ایسے وقت میں منعقد ہو رہا ہے جب کہ ملت کو نہایت اہم مسائل درپیش ہیں اور پورے ملک میں ''آئینی حقوق بچاؤ تحریک'' اپنے شباب پر ہے۔

لازمی حق تعلیم اور وقف سے متعلق قوانین کو پوری ملت نے مسترد کر دیا ہے؛ بلکہ اول الذکر کو تو برادرانِ وطن نے بھی نا قابل قبول قرار دیا ہے، اس کے علاوہ ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ کا مجوزہ قانون بھی کسی فرقہ کے لئے قابل قبول نہیں؛ کیوں کہ اس میں مذہبی اداروں اور عبادت گاہوں تک کو ٹیکس کے دائرے میں لایا گیا ہے، یہ ہندوستان جیسے کثیر مذہبی معاشرہ کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہے، ابھی چند دنوں پہلے ہم جنسی کی قانونی اجازت سے متعلق مقدمہ میں ہماری حکومت نے نہایت شرمناک موقف اختیار کرتے ہوئے ہندوستان کی روایت اور اس کی اخلاقی قدروں کو نقصان پہنچانے کی زبردست غلطی کی ہے؛ حالاں کہ اس گناہ کے مضر اثرات قطعاً محتاج اظہار نہیں ہیں، مغرب زدہ سماج فطرت سے بغاوت کی اس آگ میں بری طرح جھلس رہا ہے، ان سب کے باوجود حکومت کا رویہ نا قابل فہم ہے۔

ان حالات میں بورڈ کے موجودہ اجلاس کی غیر معمولی اہمیت ہے، بورڈ کی اصل طاقت ملت کا اتحاد ہے، ہمارا اتحاد جس قدر مضبوط ہوگا، اتنی ہی ہماری آواز میں طاقت ہوگی اور ہمارا وزن محسوس کیا جائے

گا، یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل نے جہاں شریعت کے تحفظ اور ملی مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کیا ہے، وہیں ملت کے اتحاد و اتفاق کی بھی ایک خوشگوار روایت قائم کی ہے، اس نے مسلمانوں میں اپنے مشترک مسائل کو مل جل کر حل کرنے، ایک دوسرے کے اشتراک کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے اور ملی مسائل پر غور کرنے کے لئے سر جوڑ کر ایک ساتھ بیٹھنے اور اختلاف رائے کے باوجود اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کرنے کا ولولہ پیدا کیا ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ اس جذبہ اتحاد کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے اور مل جل کر ملی مسائل کو حل کرنے کا مزاج بنایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بورڈ کا ایک مقصد تو باہر کے حملوں سے شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کا تحفظ ہے دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں ایسا دینی شعور پیدا ہو اور ملی غیرت پیدا ہو کہ وہ خلاف شریعت رسم و رواج اور طریقوں کو کسی طرح قبول نہ کریں اور ہمارے ارکان بورڈ، علماء، ائمہ کرام اور مسلم دانشوران و قانون داں حضرات ایک صالح مسلم معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کی ہمیشہ فکر کریں جو کتاب و سنت کے مطابق ہو اور ہمارے ملی تشخص کی علامت ہو اگر ہم خود صراط مستقیم پر قائم رہتے ہیں تو انشاء اللہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب رہیں گے۔

بورڈ کے ترجمان ''سہ ماہی خبر نامہ'' کا یہ شمار ایک ایسے وقت میں طبع ہو رہا ہے، جب کہ بائیسواں اجلاس منعقد ہونے جا رہا ہے، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے اور یہ اجلاس ملی مسائل کو حل کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو۔

بقیہ: **دین، اسلام اور شریعت**

سورۃ مائدہ کی اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے ہر ایک کے لئیے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقہ تجویز کیا۔ **و رضیت لکم الا سلام دینا**۔ (سورۃ المائدہ) اور اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا تمھارے اسلام کو دین۔ یعنی اسلام، **عن قتادہ فی قولہ... الدین واحد و الشرائع مختلفۃ** (تفسیر درّ منثور) تفسیر درمنثور میں حضرت قتادہؓ کے حوالے سے بات کہی گئی ہے دین سب کا ایک ہے البتہ شریعت مختلف دی گئی۔

یہاں ایک اہم خاص بات یہ ہے کہ شریعت کی یہ تبدیلی بھی ختم نبوت کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کردی گئی، چنانچہ اب شریعت محمدیؐ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ جب شعور انسانی، زندگی کی تمام حقیقتوں کا ادراک کرنے کے قابل ہو گیا اور حیات انسانی کے خدو خال مکمل طور پر ابھر کر سامنے آگئے تو نبوت بھی ختم کردی گئی اور شریعت میں تبدیلی کا راستہ بھی روک دیا گیا، البتہ حالات اور ضروریات کی خاطر ''قیاس'' کے ذریعہ اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رکھا گیا۔ اب شریعت محمدیؐ کے احکام و قوانین پر ''قیاس'' کرکے نئے احکام و قوانین وضع کیے جاسکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نئے احکام و قوانین کی بنیادیں شریعت محمدیؐ کے بنیادی اصولوں پر ہی قائم ہوں گی یعنی شریعت محمدیؐ کے بنیادی اصولوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

اس طرح دین و شریعت دونوں غیر مبدل ہیں کہ نہ دین میں کوئی تبدیلی ممکن ہے اور نہ شریعت کے بنیادی تصورات میں، اس طرح اسلام کو جامد ہونے سے محفوظ کردیا گیا ہے یہ ایک حکیمانہ فیصلہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے فرمادیا ہے لہٰذا اب اسلام ایسا جامد بھی نہیں کہ حالات اور ضروریات زمانہ کا ساتھ نہ دے سکے اور نہ ایسا موی مجسمہ ہے کہ اس کو خواہشات نفسیاتی کے مطابق جس طرح چاہا ڈھال لیا جائے۔

غرض شریعت اسلامی ایک اعتدال کی روش کا نام ہے یوں اسلام کے سارے اوامر و نواہی، احکام و مسائل معتدل اور متوازن ہو گئے ہیں اور افراط و تفریط سے پاک ہو کر اسلام ایک ایسا نظام زندگی بن گیا جو کسی زمانے کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرسکتا ہے اور دنیا کے ہر علاقے اور ہر قوم کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قابل عمل ہے۔

ایجنڈا اور نظام الاوقات

بائیسواں اجلاس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، حج ہاؤس ممبئی، مؤرخہ ۲۰/۲۱/۲۲/ اپریل ۲۰۱۲ء روز جمعہ، سنیچر، اتوار

ادارہ

مجلس عاملہ کا اجلاس

مؤرخہ ۲۰/ اپریل ۲۰۱۲ء روز جمعہ بعد نماز عصر تا مغرب

(اس اجلاس میں صرف اراکین عاملہ شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ سابقہ کارروائی کی توثیق

۳۔ اسلامی شریعت کے خلاف عدالتوں میں ہورہے فیصلوں کے سدباب پر غور

۴۔ اجلاس بورڈ کے ایجنڈوں کے لائحہ عمل پر غور ۵۔ دیگر امور باجازت صدر

اجلاس ارکان بورڈ

مؤرخہ ۲۰/ اپریل ۲۰۱۲ء بعد نماز مغرب تا عشاء

(اس اجلاس میں صرف ارکان اساسی و میقاتی شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ بورڈ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ارکان بورڈ کے عملی تعاون سے صوبوں میں اجلاس اور عوامی مہم چلانے پر غور

۳۔ آئینی حقوق بچاؤ تحریک کی پیش رفت کا جائزہ

۴۔ عدالتوں میں زیر کارروائی مقدمات کا جائزہ

اجلاس بورڈ

مؤرخہ ۲۱/ اپریل ۲۰۱۲ء روز سنیچر بوقت ۱۰/ بجے دن تا ڈیڑھ بجے دن

(اس اجلاس میں بورڈ کے جملہ ارکان اور مدعوئین کرام شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ تجاویز تعزیت

۳۔ سابقہ اجلاس بورڈ (لکھنؤ) کی کارروائی کی توثیق

۴۔ خطبہ استقبالیہ ۵۔ خطبہ صدارت ــــ اور اس پر اظہار خیال

(وقفہ چائے وغیرہ ۱۲/ بجے تا ساڑھے بارہ بجے آدھا گھنٹہ)

۶۔ آئینی حقوق بچاؤ تحریک کمیٹی کی رپورٹ اور آئندہ کے منصوبوں پر غور

(الف) قانون حق تعلیم (ب) ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بل

(ج) وقف بل (د) یوپی میں زرعی اراضی میں عورتوں کو حق وراثت کا مسئلہ

بورڈ کا دوسرا اجلاس

مؤرخہ ۲۱/ اپریل ۲۰۱۲ء بعد نماز مغرب تا عشاء

(اس اجلاس میں جملہ ارکان بورڈ اور مدعوئین کرام شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ــــ کے بعد ــــ صدر بورڈ کے افتتاحی کلمات

۲۔ جنرل سکریٹری بورڈ کی رپورٹ اور اس پر تبادلہ خیال

۳۔ حسابات بورڈ سال ۱۲-۲۰۱۱ کی پیشی اور ۱۳-۲۰۱۲ کے بجٹ کی منظوری

۴۔ بورڈ کے مالی استحکام کے طریقوں پر غور

۵۔ خواتین اور نوجوانوں کے اندر دینی شعور پیدا کرنے کے لئے ملک کے مرکزی شہروں کا پروگرام

بورڈ کا تیسرا اجلاس

مؤرخہ ۲۲/ اپریل ۲۰۱۲ء صبح ساڑھے نو بجے دن تا ۲/ بجے دن

(اس اجلاس میں جملہ ارکان بورڈ اور مدعوئین کرام شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک

۲۔ ائمہ مساجد کی تربیت کے لئے ریاستی سطح پر اجتماعات منعقد کرنے پر غور

۳۔ عدالتوں میں زیر کارروائی مقدمات کا جائزہ

(الف) سپریم کورٹ میں بابری مسجد کیس کی اپیل اور اس کے انہدام کیس میں سی بی آئی کورٹ لکھنؤ ورائے بریلی میں پیش رفت

(ب) سپریم کورٹ میں ہم جنسی کیس کی سماعت

(ج) ممبئی ہائی کورٹ میں کم سن لڑکی کے نکاح کا مقدمہ

(د) کیرالہ ہائی کورٹ میں اسلامی قانون وراثت کے خلاف رٹ

۴۔ بورڈ کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹ اور ان کی تجاویز پر غور

(الف) اصلاح معاشرہ کمیٹی

(ب) دارالقضاء کمیٹی کی رپورٹ کا جائزہ، قضاۃ کی تربیت اور دارالقضا کے قیام کے سلسلہ میں درخواستوں پر غور

(ج) تفہیم شریعت کمیٹی

(د) مجموعہ قوانین اسلامی کمیٹی کی رپورٹ

۵۔ ممبئی اعلامیہ ۶۔ دیگر امور باجازت صدر

(**نوٹ**) ۲۲/ اپریل ۲۰۱۲ء کو بعد نماز مغرب بورڈ کا اجلاس عام آزاد میدان ممبئی میں منعقد ہوگا اس میں شرکت کے لئے وقت کو فارغ رکھیں۔

بمبئی کی طرف قافلہ شوق رواں ہے!

مولانا سید محمد ولی رحمانی (سکریٹری بورڈ، مونگیر)

ہاں ایک بار پھر بمبئی کی طرف قافلہ شوق رواں ہے ـــــ کبھی یہ قافلہ طوفان سے نکل کر بمبئی چلکر پورے ملک میں پھیلا تھا، اکتوبر نومبر دسمبر کے دن بھی مجھے یاد ہیں۔ جب بمبئی میں مسلم پرسنل لا کنونشن کی تیاریاں ہورہی تھیں، اللہ کے کچھ بندے دیوانہ وار لگے ہوئے تھے، نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ ـــــ ساری کوششیں جب ایک نکتہ پر جمع ہوگئیں، ممبئی والے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے تھے، کنونشن کا اسٹیج سجا، اور خوب سجا، کتنا دلفریب تھا منظر، اسلامیان ہند کی تمام بڑی شخصیتیں جلوہ افروز تھیں، قانون شریعت کی حفاظت کیلئے، جمہوری ملک میں جمہوری قدروں کے احترام کیلئے، اور یہ بتانے کیلئے کہ جمہوریت کے معنی اکثریت کی بالادستی نہیں، بلکہ پرامن بقائے باہم کیلئے ایک دوسرے کی رائے کا لحاظ کرتے ہوئے، ہر ایک کی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے مضبوط اور مستحکم وطن عزیز کیلئے مستحکم اتحاد۔

یہ کارواں بڑھا اور بڑھتا چلا گیا ـــــ مگر جو بات بھلائے نہیں بھولتی اور جو ملک میں جمہوریت کے فروغ اور رائے عامہ کے احترام کیلئے زہر ہے وہ آج بھی دل پر کچوکے لگاتا ہے، ـــــ یہ عظیم الشان کنونشن اور عدیم المثال مسلمانوں کے مجمع کی خبر مشہور انگریزی روز نامہ میں سترہ سطروں میں اور چودہ افراد کے ''عظیم الشان مسلم پرسنل لا مخالف جلوس'' کی خبر چھتیس سطروں میں ـــــ وہ جسے نیشنل پریس کہتے ہیں، اسکے نزدیک جانبداری جمہوریت تھی، اکثریت کی داداگیری عوام پسندی تھی، مسلم مذہبی اکائی کا اپنے مذہب، اپنی تہذیب، اپنے طریق زندگی کو کھو کر اکثریت میں گم ہوجانے کا مطلب وطن سے وفاداری تھی، یہ ذہن ماضی میں بھی نیشنل پریس اور بہت سے نیشنل لیڈروں کا رہا ہے، اور اس صورتحال میں درون خانہ بہت بڑی تبدیلی ہوئی ہے۔

پھر بھی یہ کارواں بڑھتا رہا، مخالف حالات میں جینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے، مخمل پر چلنے والے اور ڈرائنگ روم میں صرف تبصرہ کرنے والے سمینار کی زینت بن سکتے ہیں، عوامی امنگوں کا اظہار اور جمہوریت کا اعتبار نہیں ہوسکتے ـــــ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی جدوجہد اور مسلمانوں کے وجود کو مستحکم کرکے اپنی شناخت بنائی، اور جس مقصد کیلئے اسکا وجود تھا، وہ کام اس نے جاری رکھا، پہلے مساجد اور مقابر بچاؤ تحریک، جس نے بورڈ کو شہر شہر گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ پہونچادیا اور پرانوں کو وہ جلوس اور جلسے آج بھی یاد ہیں، نہ جانے کتنے جلوس شہروں اور بلاک ہیڈکوارٹر نہیں چھوٹے چھوٹے گاؤں میں نکلے، ابھی ۱۹۸۰ء، ۷۹/۱۹۷۸ء کو زیادہ برس نہیں گذرے ہیں، پھر مذہبی اہمیت کے مقامات پر انکم ٹیکس کا مرحلہ آیا، وہ جنگ کسی اور سے نہیں وزارت خزانہ حکومت ہند سے تھی، مگر جیتی گئی، پھر شاہ بانو کیس کے نتیجہ میں تحریک چلی اور پورے ملک نے دیکھا کہ بورڈ عوام کے دل کی دھڑکن ملک کی ضرورت اور ملت کی امانت بن چکا ہے، اسکے وجود میں وزن ہے آواز میں دم ہے!

اصلاح معاشرہ کی تحریک چلی، یہ خالص ایجابی تحریک ہے، یہ سماج میں صالح تبدیلی کی مسلسل جدوجہد ہے، جسکے فائدہ کو ناپنا ذرا مشکل کام ہے، اور جسکے اثرات وثمرات کا مشاہدہ اسی وقت ہوسکتا ہے، جب عوام کے دماغ کو پڑھا جائے، اور عمل کو پرکھا جائے، ذہن اور مزاج کی تبدیلی، پرانی روایتوں اور نفسانی خواہشوں پر قابو پانا بڑا مشکل کام ہے۔ بورڈ کی

تحریک نے مختلف معاملات و مسائل کو ملک کے بہت سارے علاقوں میں واں پر دستک دیتا رہا ہے، اور بہت سی جگہوں میں محسوس تبدیلی نظر آرہی ہے، لوگوں میں بہت سی برائی کو برائی سمجھنے کا مزاج ہی نہیں بنا، برائی سے دامن بچانے اور پیچھا چھڑانے کا بھی مزاج بنا ہے، بورڈ کی یہ خاموش جدوجہد جاری ہے، اسکا ایک اثر یہ بھی ہے کہ لوگ اصلاح اور اصلاح معاشرہ کی باتیں سننا چاہتے ہیں، پورے ملک میں جلسوں کا ایک اہم عنوان، اصلاح معاشرہ ہے،عنوان کی یہ مقبولیت تحریکی اثرات کی وسعت کا پتہ دیتی ہے، ویسے حقیقت یہ ہے کہ دوسروں پر تنقید سب سے آسان کام ہے اور اپنی اصلاح اپنے آپ سے ٹکرانے اورلڑنے کا نام ہے، جسکے لئے علم کے ساتھ مضبوط ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے!

اب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے آئینی حقوق بچاؤ تحریک کا بگل بجایا ہے، اور ملک کے بہت سارے حصوں میں جلسے ہورہے ہیں، تحریک کا یہ پہلا مرحلہ ہے جسمیں سمجھانا ہے کہ قانون سازی کس طرح ہورہی، اور کیا ہونی چاہئے، یہ قانونی معاملات نازک اور باریک ہوتے ہیں، سمجھ میں ذرا دیر سے آتے ہیں، اسلئے بورڈ نے فیصلہ کیا کہ پہلے مرحلہ میں ملک کو سمجھایا جائے کہ ہوکیا رہا ہے، جوقوانین بنے یا بننے والے ہیں، ان کی شکل وصورت کیا ابھر رہی ہے، اور جب یہ زمین پر آئینگے تو عملی شکل کیا ہوگی، ملک کا نقشہ کیا ہوگا اور ہندوستانی سماج اور ملی سماج پر ان کے کیا اثرات ہوں گے ـــــــــ جناب کپل سبل صاحب (مرکزی وزیر تعلیم اور مشہور قانون داں) نے پیس فاؤنڈیشن کے اجلاس میں آئی آئی سی سی منعقدہ ۴؍فروری ۲۰۱۲ء میں پتہ کی بات کہی کہ بعض دفعہ قانون بنانے والوں کو بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ جب یہ زمین پر جائیگا تو عملی شکل کیا بنے گی، یہ حال بچوں کے حصول تعلیم کے بنیادی حق قانون کا ہے، اسکے فائدے تو سبھوں کی نظروں میں رہے، مگر مسلم پرسنل لا بورڈ نے اسکے نقصانات کا بہت پہلے اندازہ لگا لیا۔ ہم اس قانون میں تبدیلی اور اقلیت کے حق کی حفاظت کا کام کیبنٹ سے منظور کرا چکے ہیں، اور پارلیمنٹ کے بجٹ سیشن میں پارلیمنٹ سے اسکی منظوری ہوجائیگی۔

بورڈ کی یہ تحریک عورتوں کے مالی حقوق کی حفاظت کی تحریک ہے، آزاد ہندوستان میں اقلیتوں کے آزاد نظام تعلیم کی تحریک ہے، مدارس کے برقرار رہنے اور ان کے پھلنے پھولنے اور دینی اور تعلیمی کام کا موقعہ فراہم کرنیکی تحریک ہے، اوقاف جو ہمارے دینی ادارے اور ملت کی مالیات کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، کو محفوظ رکھنے، مضبوط کرنے اور زیادہ کارآمد بنانے کی تحریک ہے، اگر ایک بار وقف کیلئے مستحکم اور اثر دار قانون آگیا، تو ملت اسلامیہ کی خشک زمین پر ہریالی آجائیگی، اور بڑے بڑے کام انجام پاسکیں گے، انکم ٹیکس کے قانون میں ترمیم کی تحریک عبادتگاہوں کو سرکاری دستبرد سے بچانے، اور سرکاری محکموں کی مداخلت سے روکنے کی تحریک ہے اور ملک میں آزاد عباراتی سسٹم کو مضبوط کرنے کی تحریک ہے، ـــــــــ تحریک جاری ہے، اسمیں حصہ لیجئے، سمجھئے، مشکلات کا اندازہ لگائیے، اورآنیوالے دنوں میں پنجہ آزمائی کیلئے تیار ہوجایئے!

مسلم پرسنل لا بورڈ نے ہر نازک مرحلہ میں اور ہر مشکل موڑ پر مسلمانان ہند کی رہنمائی، اورآج بھی وہ اپنی ذمہ داری انجام دے رہا ہے، اسلئے یہ کارواں دین وشریعت بڑا محترم اور قابل قدر ہے، اور اسکی خدمت کرنا اور اسکی آواز پر لبیک کہنا دین و دنیا میں کامیابی اور کامرانی اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہیں، اور ہمارا یہ بورڈ مسلمانان ہند کا متحدہ ادارہ ہے جس پر نہ صرف ملت اسلامیہ کو اعتماد ہے بلکہ پورا ملک اس کے فیصلوں کو سننے کا منتظر رہا ہے، بزرگوں کی یہ امانت قابل قدر بھی ہے لائق شکر بھی، اور ہرلحاظ سے اس کی مستحق ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے، اسے ترقی دی جائے، اور ہم سبھوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی انفرادیت، مسلک ومشرب کے فاصلوں اور جماعتی حلقہ بندیوں سے بلند ہوکر صرف دین کی سربلندی اور ملت اسلامیہ کی بہی خواہی کی خاطر اس سمندر میں ضم ہوجائیں، اور ہم میں سے ہر ایک کی انفرادیت موتی کی طرح سمندر کی تہ میں رہے جس سے سمندر کا وقار و وزن تو بڑھے، مگر اس کی روانی میں کوئی فرق نہ آئے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ایک نظر میں

از: وقارالدین لطیفی

۱۔ آغازِ تحریک : ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء

۲۔ سن قیام : ۷/۸/اپریل ۱۹۷۳ء

۳۔ اہم عہدیداران

صدر

۱۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — لکھنؤ

نائب صدور

۱۔ مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ مجتہد — لکھنؤ

۲۔ مولانا محمد سالم قاسمی — دیوبند

۳۔ مولانا سید جلال الدین عمری — دہلی

۴۔ مولانا کاکا سعید احمد عمری — عمرآباد تامل ناڈو

۵۔ مولانا سید شاہ فخرالدین اشرف — امبیڈکر نگر

جنرل سکریٹری

۱۔ مولانا سید نظام الدین — پٹنہ

اسسٹنٹ جنرل سکریٹری و ترجمان

۱۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی — حیدرآباد

سکریٹریز

۱۔ مولانا سید محمد ولی رحمانی — مونگیر

۲۔ جناب عبدالستار یوسف شیخ — تھانے

۳۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — حیدرآباد

خازن:

۱۔ پروفیسر ریاض عمر صاحب — دہلی

۴۔ تاریخ رجسٹریشن بورڈ : ۲۰/فروری ۲۰۰۶ء

۵۔ رجسٹریشن نمبر : S-54919-of 2006

۶۔ بورڈ کا ای میل: aimplboard@gmail.com

۷۔ بورڈ کی ویب سائٹ: www.aimplboard.in

۸۔ تعداد ارکان اساسی بورڈ : ۱۰۲

۹۔ تعداد ارکان میقاتی بورڈ : ۱۴۹

۱۰۔ تعداد ارکان عاملہ : ۵۱

۱۱۔ خواتین ارکان بورڈ کی تعداد : ۳۰

۱۲۔ ۱۹۷۳ء تا ۲۰۱۱ء تعداد اجلاس عاملہ : ۸۷

۱۳۔ ۱۹۷۳ء تا ۲۰۱۲ء تعداد اجلاس عام : ۲۲

۱۴۔ کمیٹیوں کی تعداد : ۸

۱۵۔ تعداد مطبوعات : ۳۷

۱۶۔ تعداد خبر نامہ : ۲۸

۱۷۔ **کمیٹیوں کے نام اور کنوینر:**

۱۔ ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک

کنوینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب

۲۔ اصلاح معاشرہ کمیٹی

کنوینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب

۳۔ تفہیم شریعت کمیٹی

کنوینر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

۴۔ دارالقضاء کمیٹی

کنوینر مولانا عتیق احمد بستوی صاحب

۵۔ لازمی نکاح رجسٹریشن کمیٹی

کنوینر ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب

۶۔ لیگل سیل

کنوینر یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ

۷۔ بابری مسجد کمیٹی

کنوینر یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ

۸۔قانونی کمیٹی

کنوینز محمد عبدالرحیم قریشی صاحب

۹۔بابری مسجد برائے مقدمات

کنوینز ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ

۱۰۔مجموعہ قوانین اسلامی ترتیب نو کمیٹی

کنوینز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

۱۸۔مطبوعات:

۱۔مجموعہ قوانین اسلامی (اردو،انگریزی) ترتیب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۲۔ نظام قضاء کا قیام (اردو) مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

۳۔ یونیفارم سول کوڈ (اردو،انگریزی) مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ

۴۔ قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل (اردو) // //

۵۔ نکاح اور طلاق (اردو، ہندی) // //

۶۔ مسلم پرسنل لا (اردو) // //

۷۔ خاندانی منصوبہ بندی (اردو) // //

۸۔ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ نئے مرحلہ میں اردو // //

۹۔ مسلم پرسنل لا بحث ونظر کے چند گوشے (اردو) // //

۱۰۔ نظام قضا-ایک اہم شرعی ذمہ داری (اردو) // //

۱۱۔مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت (اردو) مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

۱۲۔ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ تعارف وتجزیہ

(اردو، انگریزی، ہندی، بنگلہ، تمل، کنڑ اور تیلگو) قاضی مجاہدالاسلام القاسمی

۱۳۔ دستور ہند اور یونیفارم سول کوڈ (اردو) محمد عبدالرحیم قریشی صاحب

۱۴۔مسلم پرسنل لا بورڈ سرگرمیوں کا خاکہ (اردو) محمد عبدالرحیم قریشی صاحب

۱۵۔ اصلاح معاشرہ (اردو) مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۱۶۔ یونیفارم سول کوڈ مسلم پرسنل لا اور عورت کے حقوق (اردو) //

۱۷۔خواتین کے مالی حقوق (اردو، ہندی، انگریزی)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

۱۸۔ طلاق کے استعمال کا طریقہ (اردو، ہندی) مولانا صغیر احمد رحمانی

۱۹۔ وراثت میں پوتے کا حصہ (اردو) مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب

۲۰۔ اسلام کا نظام میراث (اردو) مولانا عتیق احمد بستوی صاحب

۲۱۔ ہندوستان اور نظام قضا (اردو) // //

۲۲۔ نظام قضاء کا قیام اہمیت اور ضرورت (اردو) // //

۲۳۔ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ (اردو) // //

۲۴۔ اسلامی پردہ کیا اور کیوں؟ (اردو) ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی

۲۵۔ رہنمائے دارالقضاء (اردو) مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ

۲۶۔ تقریبات کا لین دین اور اس کے مفاسد (اردو) مولانا محمد عبیداللہ الاسعدی

۲۷۔ طلاق کیوں اور کیسے (اردو) ڈاکٹر مفتی فہیم اختر ندوی صاحب

۲۸۔خواتین کی عظمت اور ان کے حقوق (اردو) مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

۲۹۔ مسائل نکاح (اردو، ہندی) مولانا سراج الدین قاسمی

۳۰۔لازمی نکاح رجسٹریشن اردو مولانا نیاز احمد رحمانی صاحبؒ

۳۱۔ اصلاح کی فکر کیجئے اردو مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی

۳۲۔تعدد ازدواج ــــ حقائق کے آئینہ میں اردو مولانا نورالحق رحمانی

۳۳۔متحدہ اسلامی قیادت کا مسلمانانِ ہند کے نام پیغام (اردو)

ترتیب: محمد وقارالدین لطیفی

۳۴۔ خطبات جمعہ (اردو) ترتیب مسلم پرسنل لا بورڈ

۳۵۔ مسلم پرسنل لا سے متعلق پارلیمنٹ سے منظور شدہ متفرق ایکٹ (اردو) ترتیب مسلم پرسنل لا بورڈ

۳۶۔ مسلم پرسنل لا اور عدالتوں کے فیصلے (اردو) ترتیب مسلم پرسنل لا بورڈ

۳۷۔ مسلم پرسنل لا بورڈ خدمات اور سرگرمیاں (اردو) ترتیب: مسلم پرسنل لا بورڈ

۱۹۔مطبوعات اصلاح معاشرہ:

۱۔امت مسلمہ کی دو امتیازی خصوصیات (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

۲۔لڑکیوں کا قتل عام (حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی)

۳۔شادی مبارک (مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی)

۴۔جب رشتہ ٹوٹتا ہے // // //

۵۔اسلام نے عورت کو کیا دیا // // //

۶۔دختر کشی کی لعنت // // //

۷۔پینا حرام ہے // // //

۸۔عورتوں کے لئے اسلام کے تحفے (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)

۹۔عقیقہ کی سنت ادا کیجئے (مولانا عبدالعظیم حیدری مظاہری)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-تعارف اور خدمات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

''ایمان'' اللہ تعالیٰ پر یقین کرنے کا اور ''اسلام'' اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے، اللہ کے احکام پر عمل صرف اس لئے ضروری نہیں ہے کہ اس میں اپنے خالق اور پروردگار کی خوشنودی اور آخرت کی نجات ہے؛ بلکہ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کی کامیابی اور راحت وسکون بھی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت میں ہی مضمر ہے؛ کیوں کہ خدا اس کائنات کا بھی خالق ہے اور انسان کا بھی، اور خالق سے بڑھ کر اپنی مخلوق کے نفع وضرر سے کوئی اور ذات واقف نہیں ہوسکتی؛ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ انسانیت کی تخلیق بھی خدا ہی نے کی ہے اور اسی کا حکم اس لائق ہے کہ انسان اس پر چلے: ''أَلاَ لَـهُ الْـخَـلْـقُ وَالأَمْرُ''۔ (الاعراف:۵۴)

اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کیا گیا ہے، اس کو ''شریعت'' کہتے ہیں، شریعت الٰہی اپنی آخری اور مکمل صورت میں پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی، شریعت کے بعض احکام وہ ہیں، جن میں بنیادی اُصول ومقاصد کی وضاحت کردی گئی ہے، جزئیات وتفصیلات کو زیادہ واضح نہیں کیا گیا ہے، جیسے مالی معاملات اور سیاسی مسائل؛ تاکہ زمانہ کی تبدیلیوں کے لحاظ سے ان احکام کو منطبق کیا جاسکے، جب کہ زندگی کے بعض مسائل وہ ہیں، جن میں مقاصد بھی بیان کردیئے گئے ہیں اور اس کی عملی شکل کو بھی زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ ہیں عبادات اور خاندانی زندگی کے مسائل۔

خاندانی زندگی کے مسائل سے مراد ہے: نکاح، طلاق، والدین و اولاد اور زوجین کے حقوق، میراث وصیت وغیرہ، ان کو فقہ اسلامی کے ماہرین ''مناکحات'' سے تعبیر کرتے تھے اور موجودہ قانونی اصطلاح میں ''پرسنل لا'' کہا جاتا ہے، ان قوانین کی جڑیں کتاب وسنت میں نہایت گہرائی کے ساتھ پیوست ہیں؛ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نکاح وطلاق اور میراث وغیرہ کے احکام قرآن میں جس قدر وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں، نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے مسائل بھی اس درجہ صراحت و وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں کئے گئے ہیں؛ اس لئے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، مسلم ملک میں یا غیر مسلم ملک میں، وہ ان قوانین پر عمل کرنے کے پابند ہیں، اِن پر عمل نہ کرنے سے انسان گنہگار قرار پاتا ہے اور اگر ان قوانین کو ماننے ہی سے انکار کردے اور خدا کی بھیجی ہوئی شریعت کے مقابلہ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو ترجیح دینے لگے تو یہ کفر ہے۔

قیام کا پس منظر

اسی لئے ہندوستان میں مسلم حکومت کے ختم ہونے کے بعد ابتداء ہی سے علماء نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو پرسنل لا کے معاملہ میں قانون شریعت پر عمل کرنے کی آزادی حاصل رہے، ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں علماء کی جدوجہد سے ''شریعت اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء'' بنا، جس میں یہ بات تسلیم کی گئی کہ پرسنل لا سے متعلق مسائل میں اگر مقدمہ کے دونوں فریق مسلمان ہوں، تو ان پر شرعی قوانین کا اطلاق کیا جائے گا، پھر ۱۹۳۹ء میں علماء کی کوششوں سے ''انفساخ نکاح'' سے متعلق قانون پاس ہوا، جس میں فقہ مالکی سے استفادہ کرتے ہوئے پریشان حال خواتین کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

آزادی کے بعد ملک کے دستور میں اقلیتوں کے لئے مذہب پر عقیدہ رکھنے، مذہب پر عمل کرنے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے، مذہب پر عمل کرنے میں یقینی طور پر مسلم پرسنل لا شامل ہے؛ چنانچہ

معزز عدالتیں بھی اس کو تسلیم کرتی رہی ہیں ؛ لیکن دستور کے رہنما اُصول میں جو ہدایات شامل کی گئیں، ان میں یہ بات بھی تھی کہ بتدریج ملک میں ''یکساں سول کوڈ'' نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی ؛ حالاں کہ دستور ساز کونسل کے بعض مسلم ممبران نے اس پر اعتراض بھی کیا، مگر اسے قبول نہیں کیا گیا اور اس وقت حالات ایسے نہیں تھے کہ اس کے خلاف کوئی تحریک چلائی جائے ؛ اس لئے یہ دفعہ جوں کی توں باقی رہی، پھر آخر کچھ عرصہ بعد محسوس ہونے لگا کہ حکومت کے تیور اچھے نہیں ہیں اور وہ مسلمانوں کو ان کے شرعی قوانین سے محروم کرنے کے درپے ہے، اس کا کچھ اندازہ تو اسی وقت ہو چکا تھا، جب ۱۹۵۰ء میں ہندو کوڈ بل پیش کرتے ہوئے مرکزی وزیر قانون مسٹر پائسکر نے کہا تھا کہ ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جا رہی ہیں، وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائے گی، پھر ۱۹۶۳ء میں مرکزی حکومت نے مسلم پرسنل لا میں ''اصلاح'' کے لئے مستقل کمیشن قائم کیا، جس نے حکومت کے منفی رویہ کو اور واضح کر دیا، اور اس کا کھل کر اظہار اس وقت ہوا، جب ۱۹۷۲ء میں متبنیٰ کے لئے ایسا قانون لانے کی کوشش کی گئی کہ اسے حقیقی بیٹے کی حیثیت حاصل ہو اور مسلمانوں پر بھی اس کا اطلاق ہو۔

اس پس منظر میں امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ۲۸/جولائی ۱۹۶۳ء کو ''انجمن اسلامیہ ہال، پٹنہ'' میں بہار اسٹیٹ ''مسلم پرسنل لا کانفرنس'' طلب کی، امارت شرعیہ بہار اس کی داعی تھی، ملک کی دو بڑی تنظیموں --- جمعیۃ علماء ہند اور جماعتِ اسلامی ہند --- کے اس وقت کے سربراہان مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے علاوہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا عبدالرؤفؒ ایم، ایل، سی (ناظم: جمعیۃ علماء اتر پردیش) اور جناب منظور احسن اعجازی نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی، مولانا عثمانی نے صدارت کی اور مولانا ندوی نے افتتاح فرمایا، اس طرح ملتِ اسلامیہ کی یہ پہلی مشترکہ آواز تھی، جو ملک کے ایک کونہ سے بلند ہوئی، پھر حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر ۱۳و۱۴/ مارچ ۱۹۷۲ء کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے دیوبند میں مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ایک کل جماعتی اجلاس منعقد فرمایا، اجلاس کے شرکاء میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ (صدر مسلم مجلس مشاورت) مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ (ناظم جمعیۃ علماء ہند) مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ (قاضی شریعت بہار واُڑیسہ وجھارکھنڈ) ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوریؒ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، ڈاکٹر طاہر محمود، مولانا عامر عثمانیؒ وغیرہ شریک ہوئے، اس نشست میں طے ہوا کہ چوں کہ مسلم پرسنل لا کی زیادہ تر آواز ممبئی سے اُٹھ رہی ہے؛ اس لئے یہیں اس موضوع پر ایک کنونشن منعقد کیا جائے۔

چنانچہ ۲۷و۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء کو یہ تاریخ ساز کنونشن منعقد ہوا، جس کو مسلمانان ہند کے تمام مکاتب فکر کی بھرپور تائید حاصل تھی، اس اجلاس میں باتفاق رائے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور ۷/اپریل ۱۹۷۳ء کو اجلاس حیدرآباد میں بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بورڈ کے پہلے صدر اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، ۱۷/ جولائی ۱۹۸۳ء کو حضرت قاری صاحبؒ کی وفات ہوئی اور ۲۸/دسمبر ۱۹۸۳ء کو چنئی کے اجلاس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بورڈ کا دوسرا صدر منتخب کیا گیا، پھر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی وفات کے بعد ۲۳/ اپریل ۲۰۰۰ء کو لکھنؤ کے ایک خصوصی اجلاس میں فقیہ ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو بورڈ کا تیسرا صدر منتخب کیا گیا، مولانا قاسمیؒ کی وفات کے بعد ۲۳/جون ۲۰۰۲ء کو حیدرآباد کے اجلاس میں موجودہ صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا بحیثیت صدر انتخاب عمل میں آیا، مختلف اوقات میں دیوبندی حلقہ سے امیر شریعت حضرت مولانا ابوالسعود احمدؒ، بریلوی مکتبہ فکر سے حضرت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوریؒ، حضرت مولانا مظفر حسین کچھوچھویؒ، حضرت مولانا محمد محمد الحسینیؒ (سجادہ نشیں گلبرگہ شریف)، شیعہ مکتبہ فکر سے حضرت مولانا کلب عابد مجتہد، اہل حدیث حلقہ سے حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفیؒ، حضرت مولانا مختار احمد ندویؒ، جماعت اسلامی سے حضرت مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ، مولانا محمد یوسف

صاحبؒ اور مولانا سراج الحسن صاحب مدظلہٗ بورڈ کے نائب صدر رہ چکے ہیں، اس وقت حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، حضرت مولانا سید شاہ فخر الدین اشرف (سجادہ نشیں آستانہ عالیہ مخدوم اشرف)، حضرت مولانا کلب صادق (لکھنؤ)، حضرت مولانا سید جلال الدین عمری اور حضرت مولانا کاکا سعید احمد عمری نائب صدر ہیں۔

بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ --- جن کا بورڈ کی تاسیس میں بنیادی حصہ رہا ہے --- کی ۱۹/ مارچ ۱۹۹۱ء کو وفات ہوئی اور مئی ۱۹۹۱ء میں موجودہ جنرل سکریٹری امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب بورڈ کے دوسرے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، سابق میں جناب محمد یوسف پٹیل بورڈ کے سکریٹری رہ چکے ہیں اور اس وقت سکریٹریز کی حیثیت سے جناب محمد عبد الرحیم قریشی، جناب عبد الستار یوسف شیخ، حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی اور یہ حقیر خدمت انجام دے رہے ہیں --- ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۳ء تک مصطفیٰ فقیہ صاحب پھر ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۴ء تک مولانا عبد الکریم پاریکھؒ (ناگپور) بورڈ کے خازن رہے اور ۲۰۰۵ء سے پروفیسر ریاض عمر (دہلی) سے یہ خدمت اب تک متعلق ہے۔

بورڈ کی خدمات

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے چالیس سالہ عہد میں جو خدمات انجام دی ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

☆ ۲۳/ مئی ۱۹۷۲ء کو پارلیمنٹ میں ہندو قانون تبنیت ونفقہ ۱۹۶۵ء کی جگہ نئے قانون کا بل پیش کیا گیا؛ تاکہ مسلمانوں کے بشمول تمام شہریوں پر اس کا اطلاق ہو، بورڈ نے اس کے خلاف اول روز سے تحریک چلائی، بالآخر ۱۹/ جولائی ۱۹۷۸ء کو جنتا پارٹی کی حکومت نے اس بل کو واپس لے لیا، پھر کانگریس کی حکومت واپس آنے کے بعد ۱۶/ دسمبر ۱۹۸۰ء کو دوبارہ یہ بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا؛ لیکن بورڈ کی کوشش سے مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

☆ جون ۱۹۷۵ء میں اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے ایمر جنسی نافذ کر دی، اس کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ آنجہانی سنجے گاندھی نے جبری طور پر نس بندی کی مہم چلائی، مسلمان اس تحریک کا خاص نشانہ تھے، ظلم و جور کا بازار گرم تھا اور حکومت کے کسی فیصلہ کے خلاف زبان کھولنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ان حالات میں ۱۷/ و ۱۸/ اپریل ۱۹۷۶ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا، جس میں جبری نس بندی کے خلاف تجویز منظور کی گئی، پریس نے ان تجاویز کو شائع کرنے سے انکار کر دیا؛ لیکن بورڈ نے ورقیہ شائع کر کے ملک کے کونے کونے تک اسے پہنچایا، نیز اسی ماحول میں امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ''خاندانی منصوبہ بندی'' کے نام سے رسالہ تالیف فرمایا، جو اُردو، ہندی اور انگریزی میں بڑی تعداد میں شائع کیا گیا اور اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

☆ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں الہ آباد ہائیکورٹ کے لکھنؤ بینچ نے ایک ایسا فیصلہ دیا، جس کے تحت لکھنؤ کی دو مسجدوں، ایک قبرستان اور جے پور کی ایک مسجد کو وہاں کی میونسپل کارپوریشن نے ایکوائر کر لیا، بورڈ کی کوششوں سے یہ قبرستان اور مسجدیں مسلمانوں کو واپس کر دی گئیں۔

☆ نیوسی، آر، پی، سی، کی دفعہ ۱۲۵ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ طلاق کے بعد بھی جب تک مطلّقہ کا دوسرا نکاح نہ ہو جائے، وہ نفقہ کی حقدار رہے گی، مسلم پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ پر دفعہ ۱۲۷ کا اضافہ کیا گیا، جس کی رو سے طلاق دینے والا شوہر اگر واجبات ادا کر دے، تو پھر نفقہ منسوخ ہو جائے گا، یہ ایک حد تک دفعہ ۱۲۵ کے مضر اثرات کا ازالہ کرتی ہے، مگر مختلف عدالتوں کے فیصلوں نے اس ترمیم کو بے اثر کر کے رکھ دیا، بالآخر بورڈ نے اس سلسلہ میں زبردست مہم چلائی اور ۶/ مئی ۱۹۸۶ء کو ''قانون حقوق مسلم مطلقہ'' پاس ہوا، جو بورڈ کی ایک بڑی کامیابی تھی، مگر افسوس کہ تعبیر کے نقائص کی وجہ سے یہ قانون سازی بھی بے فائدہ رہی، جس کی اصلاح کے لئے جدوجہد جاری ہے۔

☆ اپریل ۱۹۸۰ء میں ایک ایسا قانون بنا، جس کے تحت ایسی تمام جائدادوں پر انکم ٹیکس عائد ہوتا تھا، جن میں ۱۹۷۳ء کے بعد آمدنی میں اضافہ ہوا تھا، سوائے اس کے کہ اس اضافہ شدہ جائداد کو فروخت کر کے اس کی رقم

کسی نیشنلائزڈ بینک میں فکس ڈپازٹ کردی جائے، بورڈ نے اس کے خلاف سخت جدوجہد کی اور بالآخر یہ بلا ''مسلم اوقاف'' کے سر سے ٹل گئی۔

☆ بورڈ عرصہ سے اس بات کے لئے کوشاں رہا ہے کہ قانون وقف کو ایسا بنایا جائے کہ وقف کا تحفظ آسان ہو، وہ با اختیار ادارہ ہو اور مسلمانوں کا نمائندہ ہو، ۱۹۸۴ء میں حکومت نے اچانک ایسا بل پیش کردیا، جو اوقافی جائدادوں کے لئے نہات نقصان دہ تھا، اس کے بعد وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء بنایا گیا، جس میں بورڈ کی کئی تجاویز شامل کی گئیں؛ لیکن افسوس کہ ماضی قریب میں وقف بل ۲۰۱۰ء بھی نہایت عجلت میں لوک سبھا سے پاس کرالیا گیا، جس میں بہت ساری خامیاں ہیں اور جو مسلمانوں کے جذبات کا آئینہ دار نہیں، بورڈ اس میں ترمیم کے لئے جدوجہد کررہا ہے۔

☆ ۱۹۸۶ء میں غلط طور پر بابری مسجد کا تالہ کھلوادیا گیا اور ۱۹۴۸ء میں غلط طریقہ پر رکھے گئے بتوں کی عام پوجا شروع ہوگئی، اس مسئلہ کے لئے ایکشن کمیٹیاں قائم ہوئیں؛ لیکن بعد کو یہ اندیشہ محسوس کیا جانے لگا کہ کہیں بعض خدا ناترس افراد ہندو فرقہ پرست تنظیموں سے مسجد کا سودا نہ کرلیں، اس پس منظر میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ۳؍دسمبر ۱۹۹۰ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا، اور عاملہ نے طے کردیا کہ یہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، نہ اس کی حیثیت میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے، نہ اس کی خرید وفروخت کی جاسکتی ہے، نہ کسی مصالحت کی بنیاد پر کسی فرد، جماعت یا حکومت کے حوالہ کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی حکومت اس سے انکار کرسکتی ہے، افسوس کہ ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو مسجد شہید کردی گئی، اس کے بعد مسلمانوں کے مطالبہ پر بورڈ نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا، بورڈ اراضی بابری مسجد کی حقیت اور انہدام مسجد سے متعلق مقدمات کی پیروی کررہا ہے، حقیت کے سلسلہ میں الہ آباد ہائیکورٹ کے نزاعی فیصلہ کے بعد بورڈ نے اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا ہے۔

☆ حکومت دینی مدارس کے نظام میں دخیل ہونے کے لئے طویل عرصہ سے کوشاں ہے؛ چنانچہ ۲۰۰۶ء میں اس نے ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا؛ تاکہ مدارس گورنمنٹ سے مربوط ہوجائیں، مسلم پرسنل لا بورڈ نے ہمیشہ اس سے اختلاف کیا اور حکومت سے نمائندگی کی؛ چنانچہ بالآخر حکومت سرکاری مدرسہ بورڈ کی تجویز سے دست بردار ہوگئی۔

☆ ایک مقدمہ میں جسٹس کاٹجو نے ایک مسلمان طالب علم کے داڑھی رکھنے کی اجازت طلب کرنے پر نقد کرتے ہوئے اسے ''طالبانی کلچر'' قرار دے دیا، بورڈ کی جانب سے اس کے سکریٹری مولانا سید محمد ولی رحمانی نے اس ریمارک کے خلاف خطوط و مراسلات بھیجنے کی مہم چلائی اور بالآخر جسٹس کاٹجو نے اپنے ریمارک واپس لینے کا اعلان کیا۔

☆ بعض ریاستوں میں ''وندے ماترم'' اور ''سوریہ نمسکار'' نافذ کرنے کی بات کہی گئی، بورڈ نے اس کی مخالفت کی، جس کے بہتر اثرات مرتب ہوئے۔

☆ بورڈ کے علمی کارناموں میں ایک ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کی ترتیب واشاعت ہے، شاہ بانو مقدمہ کے موقع پر ایک ایسے مجموعہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی، جس میں دفعہ وار اسلام کے عائلی قوانین ذکر کئے جائیں؛ چنانچہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے اپنی خصوصی رہنمائی اور نگرانی میں اس کی ترتیب کا کام شروع کرایا اور چند علماء و ماہرین قانون کے تعاون سے ۱۹۹۹ء میں اس کی ترتیب مکمل ہوئی، پھر نظر ثانی وغیرہ کے بعد ۱۹؍اگست ۲۰۰۱ء کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس کی رسم اجراء انجام دی، جس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا؛ لیکن ضرورت محسوس کی گئی کہ دوبارہ انگریزی میں اس کا ترجمہ ہو؛ چنانچہ انگریزی ترجمہ کا اور بعض جہتوں سے اصل کتاب پر بھی نظر ثانی کا کام چل رہا ہے اور اب اس میں فقہ شافعی، فقہ سلفی اور فقہ جعفری کے اضافہ کی سعی کی جارہی ہے۔

☆ حکومت کافی عرصہ پہلے نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا قانون لانے کے لئے کوشاں تھی؛ اس لئے بورڈ نے کافی پہلے طے کیا تھا کہ وہ خود ایک ''نکاح نامہ'' مرتب کرے اور مسلمانوں میں اسے رواج دینے کی کوشش کی جائے؛ چنانچہ یہ نکاح نامہ مرتب ہوا اور اجلاس بھوپال ۲۰۰۵ء میں اسے

منظوری دی گئی، نکاح کی تفصیلات کے اندراج کے علاوہ اس نکاح نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر زوجین اس پر دستخط کردیں تو انھیں ازدواجی نزاعات حل کرنے کے لئے عدالتوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور دارالقضاء یا شرعی پنچائت کے ذریعہ ان کے اختلافات حل ہوجائیں گے۔

☆ بورڈ شروع ہی سے دارالقضاء کے نظام کو قائم کرنے کے لئے کوشاں رہا ہے؛ تاکہ مسلمان شرعی طریقہ پر اپنے مسائل کو حل کیا کریں؛ چنانچہ اب تک دو درجن کے قریب دارالقضاء بورڈ کے تحت قائم ہو چکے ہیں اور اس کے لئے ایک مستقل کمیٹی قائم ہے، پہلے اس کے کنوینر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ تھے، ان کی وفات کے بعد اب اس کے کنوینر مولانا عتیق احمد بستوی ہیں۔

☆ مسلمانوں کا صرف حکومت سے مطالبہ کرنا کہ ان کے شرعی قوانین میں مداخلت نہیں کی جائے، کافی نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر اپنی زندگی میں شریعت کو نافذ کریں، اس مہم کے لئے بورڈ میں اصلاح معاشرہ کا ایک مستقل شعبہ قائم ہے اور اس کمیٹی کے کنوینر بورڈ کے سکریٹری مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب ہیں، بورڈ کی جانب سے اصلاح معاشرہ کی غرض سے بہت سے رسائل شائع کئے گئے، ورکشاپ منعقد ہوئے اور اجتماعات کا اہتمام کیا گیا؛ چنانچہ اب یہ دینی مدارس اور مذہبی وسماجی تنظیموں کے جلسوں اور اجتماعات کا اہم عنوان بن گیا ہے۔

☆ اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مسلم اور غیر مسلم قانون دانوں کو شریعت کے احکام اور ان احکام کی حکمتوں سے واقف کرانے کے لئے مناسب نظم کیا جائے؛ تاکہ لوگ قانون شریعت کی روح سے واقف ہوسکیں اور ان کی غلط فہمیاں دور ہوں، اسی پس منظر میں اجلاس بھوپال ۲۰۰۵ء میں ''تفہیم شریعت'' کمیٹی تشکیل دی گئی، اور مولانا جلال الدین عمری اس کے کنوینر بنائے گئے، پھر جب وہ جماعتِ اسلامی کے امیر منتخب ہوئے تو عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس ذمہ داری سے معذرت کردی؛ چنانچہ اِس وقت یہ حقیر اس کمیٹی کا کنوینر ہے، وکلاء اور قانون دانوں کے درمیان تفہیم شریعت کے پروگرام منعقد ہوتے رہتے ہیں اور بورڈ نے اس موضوع سے متعلق متعدد رسائل بھی شائع کئے ہیں۔

☆ بورڈ کی ایک اہم ترین کمیٹی ''لیگل کمیٹی'' ہے، جو شریعت پر اثر انداز ہونے والے عدالتی فیصلوں اور پارلیمنٹ سے پاس ہونے والے ایسے قوانین پر نظر رکھتی ہے جو مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور بورڈ جن مقدمات کی پیروی کررہا ہے، ان کے لئے شرعی اور قانونی امداد فراہم کرتی ہے، اس کمیٹی میں وکلاء بھی ہیں اور علماء بھی، اور جناب یوسف حاتم مچھالہ اس کے کنوینر ہیں۔

☆ مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل زیادہ تر خواتین سے مربوط ہیں؛ اس لئے مسلم خواتین کو باشعور بنانے اور شرعی احکام سے واقف کرانے کو بورڈ نے شروع سے خصوصی اہمیت دی ہے؛ چنانچہ اجلاس کانپور ۱۹۸۹ء میں بورڈ نے ''مسلم خواتین سیل'' قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سال کو ''سالِ خواتین'' کی حیثیت سے منایا، مختلف شہروں میں اس سیل کے تحت خواتین کے اجتماعات منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

☆ بورڈ رائے عامہ کو بیدار کرنے، لوگوں میں شعور پیدا کرنے اور مسلم پرسنل لا کی اہمیت اور افادیت سے واقف کرانے کے لئے اُردو، انگریزی اور ہندوستان کی مختلف مقامی زبانوں میں لٹریچر کی اشاعت پر توجہ دیتا رہا ہے؛ چنانچہ اب تک بورڈ سے بحیثیت مجموعی تین درجن کے قریب کتابیں اور رسائل شائع ہو چکے ہیں، جو اپنے موضوع پر بڑے مفید اور اہم ہیں۔

☆ بورڈ مسلمانوں کو اپنی کارکردگی سے مطلع رکھنے اور مسلمانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ۲۰۰۵ء سے مسلسل پابندی کے ساتھ سہ ماہی خبر نامہ شائع کررہا ہے، جس میں بورڈ کی خدمات کے علاوہ مسلم پرسنل لا سے متعلق اہم مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے ہیں۔

☆ بورڈ اپنی تحریک کو آگے بڑھانے اور اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ملک کے بڑے شہروں میں اجلاس عام بھی منعقد کرتا آرہا ہے؛ چنانچہ اب تک ۲۱/ اجلاس منعقد ہو چکے ہیں اور ۸۷/ مجلس عاملہ کی مشاورتی نشستیں منعقد ہوئی ہیں۔

☆ یہ تو مسلم پرسنل لا بورڈ کی ان خدمات کا مختصر تذکرہ تھا، جو محدود اور متعین طور پر انجام پائی ہیں؛ لیکن بورڈ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اتحاد واتفاق اور مشترکہ ایجنڈہ کے لئے اشتراک وتعاون کا مزاج پیدا کیا ہے، ان کے اندر اپنی مذہبی شناخت اور تہذیبی تشخص کے جذبہ کو پروان چڑھایا ہے، اور انھیں اجتماعیت کی دولت سے سرفراز کیا ہے، یہ بورڈ کا سب سے بڑا اور سب سے اہم کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کیفیت کو باقی رکھے۔

موجودہ سرگرمیاں

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس وقت اصلاح معاشرہ، دارالقضاء، تفہیم شریعت اور قانونی جائزہ وغیرہ کے علاوہ جن معاملات اور مسائل کو حل کرنے میں عدالتی اور سیاسی سطح پر کوشش کر رہا ہے، وہ حسب ذیل ہیں :

☆ بابری مسجد کی حقیت کے سلسلہ میں سپریم کورٹ میں زیر دوراں مقدمہ کی پیروی کی جارہی رہے۔

☆ بابری مسجد سے متعلق ''لبراہن کمیشن'' میں بورڈ مسلسل پیروی کرتا رہا ہے اور اب کمیشن کی رپورٹ حکومت کے حوالہ ہو چکی ہے۔

☆ بابری مسجد کی شہادت سے متعلق رائے بریلی اور لکھنؤ کی عدالتوں میں زیر دوراں مقدمات میں پیروی کی جارہی ہے۔

☆ اتر پردیش کے مروجہ قانون کے مطابق زرعی زمینوں میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا، اس کے لئے یوپی گورنمنٹ سے بورڈ ربط میں ہے۔

☆ ''وقف ایکٹ ۲۰۱۰ء'' میں ترمیم کے لئے سرکاری سطح پر کوشش کی جارہی ہے۔

☆ یہ بل اوقافی جائدادوں کے لئے نہایت نقصاندہ ہے، بورڈ کی مخالفت کی بناء پر حکومت نے اسے سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کر دیا ہے، بورڈ اس کی اصلاح کے لئے کوشش کر رہا ہے۔

☆ ''لازمی نکاح رجسٹریشن ایکٹ'' میں تبدیلی کے لئے بھی سرکاری سطح پر کوششیں جاری ہیں۔

☆ سپریم کورٹ میں زیر دوراں نفقہ مطلقہ سے متعلق ایک مقدمہ میں بورڈ فریق بن چکا ہے اور عدالتی سطح پر اس کی اصلاح کے لئے کوشاں ہے، نیز سرکاری سطح پر بھی اس کی کوشش کی جارہی ہے۔

☆ بعض مقدمات میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جب تک ثالث بنا کر باہمی اختلافات کو حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے، اگر مرد طلاق دے دے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، بورڈ قانون کے ذریعہ ایسے فیصلوں کو بے اثر کرنے کے لئے حکومت سے رابطہ میں ہے۔

☆ سپریم کورٹ میں تبنیت سے متعلق ایک مقدمہ دائر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں پر بھی متبنیٰ کے حقیقی بیٹے ہونے کا اطلاق ہو، بورڈ اس مقدمہ میں فریق بن کر اس دعوی کو رد کرانے کے لئے کوشاں ہے۔

☆ سپریم کورٹ میں ایک فرقہ پرست مدعی کی طرف سے دعویٰ داخل کیا گیا ہے کہ دارالقضاء اور دارالافتاء کو بند کرا دیا جائے، اس کے خلاف فریق بن کر بورڈ مقدمہ کی پیروی کر رہا ہے اور حکومت سے رابطہ میں ہے۔

☆ ''رائٹ ٹو ایجوکیشن'' ایسا قانون ہے، جو دینی مدارس اور اقلیتی تعلیمی اداروں کے لئے نہایت نقصاندہ ہے، بورڈ اس قانون سے پہنچنے والے مضر اثرات کے ازالہ کے لئے مرکزی حکومت سے مسلسل نمائندگی کر رہا ہے۔

☆ ''ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ'' کے مجوزہ قانون کے مطابق مذہبی اداروں اور عبادت گاہوں پر بھی ٹیکس عائد ہوتا ہے، بورڈ نے حکومت سے ربط کیا ہے کہ وہ اس زیر تجویز قانون میں مناسب تبدیلی لائے۔

☆ مختلف ریاستوں میں نابالغوں کے نکاح کو منع کرنے سے متعلق قوانین بن چکے ہیں اور ان کا نفاذ بھی عمل میں آچکا ہے، بورڈ اس کی مخالفت کرتا رہا ہے اور اس میں مناسب تبدیلی کے لئے حکومت سے رابطہ میں ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات:

اغراض ومقاصد کی روشنی میں

مولانا رضوان احمد ندوی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ آج کے تاریک دور میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے امید کی سب سے زیادہ روشن کرن ہے، کیونکہ جب بھی ملک کے قانون ساز اداروں یا زیریں وبالائی عدالتوں نے اسلامی قانون کی من مانی تشریح کی تو بورڈ نے اپنے معتدل اور متوازن نصب العین کے ذریعہ قانون شریعت کے تحفظ وبقا کے لئے منظم اور مربوط انداز میں تحریک چلائی اور مسلمانوں میں خود اعتمادی اور سنجیدگی فکر کے ساتھ حالات کے گرد وپیش کا جائزہ لینے کا جذبہ ابھارا۔ اجتماعی قوت اور ملی وحدت کے ساتھ دینی وتہذیبی تشخص کی حفاظت کی کوشش کو پروان چڑھایا۔ اس وقت بورڈ پر چار دہائیاں گذر چکی ہیں۔ اس نے ابتداء قیام کے وقت جو بنیادی منشور اور ہمہ گیر دستور العمل متعین کیا آج بھی اس کی ساری سرگرمیوں کی شاہراہیں اسی اصول وضابطے سے گذرتی ہیں، البتہ جن اہم گوشوں پر خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کی ان میں ایک یہ کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے دستوری اور قانونی جدوجہد کرنا اور دوسرے اسلام کے عائلی قوانین کی برتری کے لئے علمی وفکری انداز میں رائے عامہ کو ہموار کرنا شامل ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ بورڈ کی کوششیں مختلف میدانوں میں جاری ہیں اور ملک وملت پر اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ اس موقعہ پر بورڈ کی انہیں کوششوں اور بنیادی مقاصد کا دفعہ وار مختصرا تذکرہ اور عملی جائزہ لیا جارہا ہے۔ تاکہ ملت اسلامیہ کو بورڈ کی وقیع اور گراں قدر خدمات سے واقفیت حاصل ہوسکے۔

۱۔ مسلمانوں کے پرسنل لا کے تحفظ کی کوشش کرنا:

مسلم پرسنل لا مسلمانوں کے دین وشریعت کا ایک لازمی جز ہے، ان کا عائلی قانون اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا اس لئے مسلمانوں کی عملی زندگی دینی مشاغل ومظاہر سے کتنی ہی خالی کیوں نہ ہوجائے مگر جب تک ان کے معاشرہ میں اسلام کے عائلی قوانین کی کارفرمائی ہے کوئی بھی دوسری تہذیب وثقافت ان کے قومی وجود اور ملی تشخص کو اپنے اندر ہضم نہیں کرسکتی، انہیں عائلی قوانین کا اصطلاحی نام پرسنل لا ہے، جس کو شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کے ذریعہ قانونی تحفظ حاصل ہوا، مگر مجالس قانون ساز اور ہماری عدالتیں کتاب وسنت کی من پسند تعبیر کرکے اسلامی قانون کو پامال کرنے اور اس کی معنویت کو ختم کرنے کی مسلسل کوشش کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت نے ۷۳،۱۹۷۲ء سے تادم تحریر خلاف شریعت فیصلوں کی ملک گیر تحریک چلاتی رہی اور قانونی چارہ جوئی کے لئے مختلف عدالتوں میں اپیلیں دائر کرکے پیروی کرتی رہی ہیں۔ خواہ متبنیٰ بل کا معاملہ ہو یا یکساں سول کوڈ کا مسئلہ، تبنیت اور نفقہ مطلقہ کا قضیہ ہو یا بابری مسجد کی حقیت کے مقدمات یا لازمی نکاح رجسٹریشن پر قانونی چارہ جوئی ہر محاذ پر بورڈ کی قیادت نے بڑی حکمت وبصیرت اور جرأت ودانشمندی سے اقدام کیا اور اس وقت بھی متعدد کیس ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہیں جن کی پیروی بورڈ کی لیگل کمیٹی کررہی ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو شرعی احکام سے واقف کرانا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مسلمانوں کی عملی زندگی میں نظام شرعی کو نافذ کرنے کے لئے اصلاح معاشرہ کی تحریک چلا رکھی ہے۔ اس کے لئے ملک کے مختلف مرکزی شہروں میں بڑے پیمانے پر سیمینار اور اجلاس منعقد ہوتے رہے ہیں جس سے مسلم سماج میں بیداری آرہی ہے، خواتین اور نوجوانوں کی ذہن سازی ہورہی ہے اس سلسلے میں بورڈ کا نظریہ یہ ہے کہ پہلے مسلمان خود اپنے کردار وعمل سے دنیا کو یہ تأثر دیں کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات کا نام ہے، جس نے عقائد وعبادات اور معاملات کے ساتھ معاشرتی زندگی کو بھی شریعت اسلامی کے مطابق گذارنے کے لئے رہنما اصول مقرر کئے ہیں یہ اور بات ہے کہ مسلم معاشرہ کی مکمل اصلاح کٹھن بھی ہے اور محنت طلب بھی، مگر مسلمان اپنے خیر امت ہونے کا شعور بیدار کریں اور سماجی بندھنوں سے نکل کر معاشرہ اور خاندان کو اسلامی تعلیمات کا آئینہ

دار بنائیں، بورڈ حالات سے مایوس نہیں ہے اس لئے وہ اپنی کوششوں کو تیز سے تیز کرتا جارہا ہے۔

۳۔ لٹریچر کی اشاعت کرنا:

بورڈ نے مسلم پرسنل لا کے تعارف اور معاشرتی برائیوں کو جڑ سے مٹانے کے لئے تین درجن سے زیادہ اصلاحی لٹریچر کتابچے اور رسائل طبع کراکر ہزاروں لوگوں تک پہونچایا اس کے لئے ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی کرائے تا کہ لوگ مادری زبانوں میں ان کتابچوں سے استفادہ کرسکیں اور اپنے اندر عمل کا جذبہ پیدا کریں۔

۴۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے مجلس عمل کی تشکیل:

بورڈ نے مسلم پرسنل لا کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے دستوری طریقے پر مجلس عمل کی تشکیل کی جس میں ہندوستان کے مختلف مذہبی طبقات کے افراد اور شخصیات شامل ہیں یہ بورڈ دوسوا کاون ممتاز اصحاب پر مشتمل ہے جس میں ایک سو دو (۱۰۲) اساسی ارکان اور ایک سو انچاس (۱۴۹) میقاتی ارکان ہیں اور انہیں میں سے اکاون (۵۱) سرکردہ شخصیات مجلس عاملہ کے رکن ہیں جن کی سال میں تین چار میٹنگیں ہوتی ہیں اور ان میں بورڈ کے فیصلوں کو روبعمل لانے کے طریقوں پر غور ہوتا ہے ساتھ ہی مسلم پرسنل لا سے متعلق پیش آمدہ نئے مسائل پر بھی مفید تجویزیں پاس ہوتی ہیں، پھر لائحہ عمل طے کیا جاتا ہے اور مضبوط عزم وارادہ کے ساتھ اقدام کیا جاتا ہے۔

۵۔ مسلم پرسنل لا کی بقا وتحفظ کے لئے باہمی اشتراک وتعاون کو پروان چڑھانا:

مسلم پرسنل لا بورڈ میں ملک کی تقریباً تمام معروف تنظیموں کے ذمہ دار، مختلف مسالک کے علماء وفقہاء، اداروں کے سربراہ، ماہرین قانون اور متعدد سماجی شخصیات کی نمائندگی شامل ہے، گویا یہ ایک مضبوط متحدہ ومشترکہ پلیٹ فارم ہے جہاں ملی وحدت کے ساتھ مشترکہ مسائل کو حل کرنے کی جد جہد کی جاتی ہے اور اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ مسلم پرسنل لا کی حفاظت میں مسالک کے جزوی وفروعی اختلافات کو حائل نہ ہونے دیا جائے، بلکہ فقہی مسالک کے حدود میں رہتے ہوئے تعاون وتشاور سے کام لیا جائے، تا کہ فتنہ انگیزی کرنے والوں کو اس کا موقع نہ ملے کہ وہ ہماری صفوں میں بکھراؤ پیدا کریں، ہاں اگر کبھی ایسا ماحول اور فضا پیدا کرنے کی کوشش کی تو بورڈ کی قیادت نے اول مرحلہ میں اس کو ختم کردیا اور یہ بورڈ کی سب سے بڑی خوبی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں بورڈ کے تعلق سے اعتماد واعتبار قائم ہے۔

۶۔ پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنا

مسلمانوں کے پرسنل لا پر جب بھی خطرات کے بادل منڈلائے بورڈ کے ذمہ دار حضرات اس کے سد باب کیلئے سرگرم ہوجاتے ہیں، جب قانون ساز اداروں نے لازمی نکاح رجسٹریشن کا بل تیار کیا تو اس کے تناظر میں مرکزی حکومت کی مسلم قاضیوں کے کرائے گئے نکاح کو بے اثر کرنے کی پالیسی ظاہر ہونے لگی، چنانچہ بورڈ نے حکومت کے منشا کو بھانپ لیا، چنانچہ معیاری اور نمونے کا نکاح نامہ تیار کیا، جس میں نکاح سے متعلق تمام شرعی پہلوؤں کا احاطہ کیا اور اس کو طبع کراکر ملک کے گوشہ گوشہ تک پہونچایا اور یہ واضح کردیا کہ جہاں پہلے سے نکاح نامہ رائج ہے اسی نکاح نامہ کو جاری رکھیں۔ البتہ اگر ضرورت متقاضی ہو تو اس کو بھی پیش نظر رکھیں اسی طرح جب عدالتیں مسلم پرسنل لا کے خلاف فیصلے صادر کرنے لگیں تو بورڈ نے محسوس کیا کہ اسلامی قانون کی نزاکتوں اور حکمتوں سے عدم واقفیت کے نتیجہ میں اس طرح کے فیصلے ہورہے ہیں چنانچہ اکابر بورڈ نے ۱۹۸۵ء۱۹۸۶ء میں مجموعہ قوانین اسلامی کے نام سے کتاب کی ترتیب وتسوید کا کام شروع کیا اور اس کے لئے ہندوستان کے مستند اور ماہرین فقہ وحدیث کی خدمات حاصل کیں، یہ مجموعہ نظر ثانی کے مختلف مرحلوں سے گذرنے کے بعد ۲۰۰۱ میں اردو اور انگریزی زبان میں طبع ہوا اور اس کو وکلا قانون داں اور ہر صاحب علم وفضل تک پہونچایا گیا، پھر ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کے بعد فقہی اصطلاحات کی تنقیح کی جائے تو نظر ثانی کا کام شروع ہوا جو اس وقت تکمیل کے مرحلہ میں ہے۔

۷۔ مسلم پرسنل لا کے اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے وفود کی ترتیب، اجتماعات اور خبرناموں کا اجراء:

مسلم پرسنل لا کے مقاصد کی تکمیل کے لئے قائدین بورڈ کا ملک کے مختلف مرکزی مقامات پر برابر دورے ہوا کرتے ہیں، ماضی میں آسام، چنئی، کلکتہ، بنگلور، حیدرآباد، دہرہ دون، پٹنہ وغیرہ کے علاقوں کے متعدد دورے ہوئے جہاں بڑے بڑے اجتماعات سے مسلمانوں کو مخاطب کرکے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی کوشش کا جذبہ ابھارا۔ ۱۹۹۵ء میں ہفتہ تحفظ شریعت پورے ملک میں منایا گیا۔ ۱۹۹۸ء میں ملک گیر مہم چلائی گئی جو بہت ہی کامیاب رہی، اس کے ساتھ ہی بورڈ کے بنیادی پیغام کو ملک بھر میں پہونچانے کے لئے سہ ماہی خبرنامہ بھی جاری ہوا جس میں شگفتہ نگار اہل قلم

کے مضامین شائع ہوتے ہیں الحمدللہ ہر حلقہ وطبقہ میں ان مضامین کو پڑھا جاتا ہےاور اس کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

۸۔ علماء وماہرین قانون پر مشتمل قانونی مسودات کے جائزے کے لئے لیگل کمیٹی کی تشکیل:

ملک کی مختلف عدالتوں میں خلاف شریعت ہو رہے فیصلوں کے جائزے اور اپیلوں کے لئے علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل بورڈ کی لیگل کمیٹی قائم ہے جو موجودہ قوانین میں پارلیامنٹ اور مختلف ریاستی قانون ساز میں پیش ہونے والے مسودات قانون اور گشتی احکام کا جائزہ اس نقطہ نظر سے لیتی ہے کہ اس کا مسلم پرسنل لا پر کیا اثر پڑتا ہے، پھر اس سے متعلق مقدمات کی پیروی کرتی ہے، جیسے بابری مسجد مقدمہ، ہم جنسی کا معاملہ، حق وراثت اور تبنیت کا مسئلہ، دار القضاء کی خود مختاری کا معاملہ اس طرح کے متعدد مقدمات کی پیروی چل رہی ہے۔ اسی طرح علماء اور وکلاء کے درمیان کی خلیج کو دور کرنے کے لئے بورڈ نے تفہیم شریعت کا پروگرام بنایا تا کہ قانون شریعت کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں انہیں دور کیا جائے، اس کے لئے بورڈ نے بنگلور، حیدرآباد، دہلی، لکھنؤ وغیرہ میں تفہیم شریعت کے مختلف اجتماعات منعقد کئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

آخر میں بورڈ کے سکریٹری اور ملک کی ممتاز علمی وروحانی شخصیت حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کے اس اقتباس سے اپنی بات ختم کرتے ہیں، جسے انہوں نے مونگیر کے اجلاس بورڈ میں اپنے کلیدی خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

"مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ ایمان ویقین کے متوالوں کی تاریخ ہے، بصارت وبصیرت، جرأت وعزیمت کی تاریخ ہے، صبر وبرداشت، احتیاط وپرہیز کے ساتھ سوز دروں اور جذبہ جنوں کی تاریخ ہے، بروقت فیصلے اور فیصلوں پر مسلسل عمل کی تاریخ ہے، وہ احتیاط جو بزدلی کا تحفہ دے وہ پرہیز جو حالات سے گریز سکھائے وہ صبر جو ظلم مسلسل کی حسین تعبیر تلاش کرے اور وہ برداشت جو بے عملی تک پہونچا دے، زندہ افراد اور زندہ اداروں کے لئے نہ قابل قبول ہے اور نہ گوارا!"

حضرت مولانا نے جس دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ یہ باتیں کہیں انہیں بار بار پڑھا جائے اور بورڈ کے اغراض ومقاصد کو روبعمل لانے کے لئے اسے مشعل راہ بنایا جائے۔

❁❁❁

بقیہ: ریاست تامل ناڈو اور اصلاح معاشرہ خواتین پروگرام

بتاریخ ۱۱/جنوری ۲۰۱۲ء کو نیو کالج کانفرنس روم میں اصلاح معاشرہ کمیٹی برائے تامل ناڈو کا انعقاد کیا گیا جس میں ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ اور محترمہ امۃ الوحید فاخرہ صاحبہ نے اپنی سرپرستی میں چنئی کی مختلف تنظیموں سے جڑی خواتین کو اصلاح معاشرہ کمیٹی سے جڑنے اور اس بات کا وعدہ لیا کہ چنئی کی خواتین میں بیداری لانے اور معاشرتی برائیوں پر قابو پانے کے لئے ریاستی سطح پر کانفرنس کا انعقاد کیا جائے اور ورک شاپ کے ذریعہ بھی اصلاح معاشرہ کی خدمت انجام دی جائے!

۱۲/جنوری ۲۰۱۲ء آہنکار آڈیٹوریم نیو کالج میں شاندار افتتاحی اجلاس منعقد کیا گیا جس میں شہر کے مختلف تنظیموں کی خواتین، سربراہ، مختلف درس گاہوں کی بے شمار طالبات اور عوام کی کثیر تعداد نے اپنی شرکت سے کانفرنس کو شاندار کامیابی عطا کی۔ اجلاس کی دوسری نشست میں مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی پنجاب، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب، مولانا سعود عالم قاسمی صاحب علی گڑھ، جناب ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب نئی دہلی، جناب کمال فاروقی صاحب نئی دہلی اور شہر چنئی کی با اثر شخصیات نے محفل کو رونق بخشی اور علماء میں مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے حکیمانہ خطبات نے عوام میں بیداری کی لہر پیدا کی۔ اس کے علاوہ مقرر حضرات نے لوگوں کے ذہن ودل کو جھنجھوڑنے میں اہم رول ادا کیا۔

مجموعی طور پر جنوبی ہند کی خواتین کانفرنس کامیاب اقدام ہے!

اللہ رب العزت اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو گفتار کا نہیں کردار کا غازی بنائے آمین! اللہ پاک ان لوگوں کی خدمات کو قبول فرمائے جنھوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے اسٹیج سے باہر بطور ٹیم ورک اہم رول ادا کیا اور اجلاس کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

❁❁❁

مسلم پرسنل لا بورڈ ...... نئے چیلنج نئے اُفق

پروفیسر ابراہیم خلیل عابدی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانیان کے وہم وگمان میں یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ انہیں بلا لحاظ مذہب وملت تمام ہندوستانیوں کے جائز حقوق کے لیے تحریک چلانی پڑے گی اور پھر یہ خیال تو مزید نا قابل فہم اور نا قابل ہضم ہے کہ ان مولوی حضرات کو مدرسوں اور خانقاہوں سے نکل کر عصری تعلیمی اداروں کے معیار کو قائم رکھنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنی پڑے گی۔

ایک طرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی بالغ نظر قیادت ہے جو آنے والے طوفانوں کی خبر اور حالات پر نظر رکھتی ہے اور بساط بھر خبر لیتی ہے، مگر دوسری جانب امت کا سواد اعظم اپنے ہی حال میں مست، کیا دین والے کیا دنیا والے۔ اللہ والے ایسے کہ دنیا سے بے خبر، ساری باتیں زمین سے نیچے اور آسمان سے اوپر۔ دنیا والوں کا تو ذکر ہی کیا، دنیا ان کی منزل، دنیا ہی ان کی جنت مرنا تو نہیں ہے، ہی نہیں؟

بہت کم مسلمان اس حقیقت سے واقف ہیں کہ قرآن مجید میں نماز روزہ سے زیادہ نکاح وطلاق اور میراث کے احکام بیان کئے گئے ہیں، ایسے میں عام مسلمانوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

ہمارا دین کسی فرد واحد یا انسانوں کے گروہ کا بنایا ہوا دین نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے، جو قرآن وسنت کی شکل میں ہمیں میسر ہے، اس قانون کا وہ شعبہ جس پر ہمارے خاندانی نظام کی بنیاد ہے مسلم پرسنل لا کہلاتا ہے جس میں نکاح، طلاق، میراث وصیت وغیرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں، الغرض مسلم پرسنل لا شریعت کا جزولاینفک ہے۔ شریعت اللہ کا بنایا ہوا دائمی قانون ہے، اور اس میں تبدیلی کوئی پارلیمنٹ تو کیا اقوام متحدہ بھی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) کسی مسلمان مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (الاحزاب ۳۶)

یہاں اس تاریخی حقیقت کا اعادہ ضروری ہے کہ ۱۹۳۷ء میں بننے والے شریعت اپلی کیشن ایکٹ نے ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کو بنیاد فراہم کی، پھر دستور ہند میں ''عقیدہ وضمیر کی آزادی'' اور ہر مذہب والوں کے لیے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کی دفعات نے مسلم پرسنل لا کو تحفظ کی ضمانت دے دی، لیکن بد قسمتی سے دستور کے رہنما اصولوں میں یکساں سول کوڈ (دفعہ ۴۴) رکھ کر مسلم پرسنل لا پر سدا کے لیے ایک تلوار لٹکا دی۔ دستور ساز اسمبلی میں مسلم نمائندوں کے بروقت اعتراض کے باوجود ڈاکٹر امبیڈکر کے ریمارکس کی روشنی میں اسے نظر انداز کردیا گیا۔

۲۳؍نومبر ۱۹۶۴ء کو مہاراشٹر میں ایک مسلمان ایم ایل اے نے ایک سے زائد شادی پر پابندی عائد کرنے کا بل پیش کرکے یکساں سول کوڈ کے جن کو بوتل سے آزاد کردیا۔ پے در پے مسلم پرسنل لا پر حملے ہونے لگے۔ مسٹر عبدالرحمٰن انتولے تک بول بیٹھے ''مسلمانوں کی اکثریت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی خواہش مند ہے صرف پانچ فیصد افراد ایسے ہیں جو تبدیلی نہیں چاہتے'' ایک طرف یکساں سول کوڈ کا فتنہ جاگ چکا تھا تو دوسری طرف مسلمان اس خطرہ کو پوری طرح محسوس کرچکے تھے، اکابرین امت اور دینی جماعتیں فکر مند اور متحرک ہوچکی تھیں، متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء (منہ بولی اولاد کو حق وراثت جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں) نے تمام مخلص شیدائیان شریعت کو متحد اور مرتکز کردیا اور ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو ممبئی کی سرزمین پر وہ عظیم الشان اور فقید المثال کنونشن ہوا جس نے شریعت دشمنوں کی ساری آرزوئیں خاک میں ملا کر رکھ دیں، بعد ازاں تحفظ شریعت تحریک کو دوام اور تسلسل عطا کرنے کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔

شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے ذریعے شریعت میں مداخلت کی ایک بار پھر کوشش کی گئی مگر مسلمانان ہند نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ملک گیر سطح پر احتجاج کیا۔ شہر ممبئی میں ۵ لاکھ افراد کے جلوس نے شریعت دشمنوں کو ایک بار پھر خاک چٹادی۔ حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلہ کو کالعدم قرار دینے کے لیے پارلیمنٹ میں تحفظ حقوق مسلم مطلقہ قانون بنانا پڑا۔ مگر اس کے باوجود مختلف زیریں عدالتوں کے ذریعہ قانون شریعت سے متصادم فیصلوں کا سلسلہ جاری ہے۔

آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شریعت دشمنوں نے اپنی حکمت عملی میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کردی ہے۔ اور وہ راست طور پر جارحانہ حملوں سے گریز کررہے ہیں۔ بلکہ ان کے حملوں میں بڑی ''معصومیت'' اور خیرخواہی'' ہے۔ مزید یہ کہ ان کے حملوں کی زد میں صرف ہم ہی نہیں سب آتے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ صرف ہم ہی کو چونکنے اور ردعمل کا اظہار کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

پہلا حملہ: مفت اور لازمی حق تعلیم قانون (RTE):

اس قانون کے تحت پہلے چھ سے چودہ سال (اور اب تین سے اٹھارہ سال) تک کے ہر ہندوستانی کے لیے سرکاری تعلیم لازمی ہوگی، یعنی تعلیم گاہ، نصاب تعلیم، اساتذہ سب کچھ سرکار کی مرضی کے عین مطابق ہوگا اور اس سے سرموانحراف نہیں کیا جاسکے گا۔ ظاہر ہے اگر کسی کو اپنے مذہب اور تہذیب کے لحاظ سے تعلیم دینی ہو تو اسے تین سال سے چھوٹے اور ۱۸سال سے بڑے بچوں کا انتخاب کرنا ہوگا جو ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں دینی مدارس کا وجود غیرقانونی ہوجائے گا۔ حتیٰ کہ اقلیتی تعلیمی ادارے انجمن اسلام، انجمن خیرالاسلام، الامین اسکولز، شبلی کالج سارے کے سارے سرکاری ہوجائیں گے۔ اسماعیل یوسف کالج کا حشر تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں، پہلے تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ شاید مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی بیداری پر روک لگانے کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے۔ مگر تفصیل سے مطالعہ کرنے پر پتا چلتا ہے کہ یہ قانون تو اصلاً تعلیم ہی کے خلاف ہے۔ آج سرکاری تعلیمی اداروں کا معیار کتنا پست ہے یہ جگ ظاہر ہے اور جب صرف سرکاری تعلیمی ادارے باقی رہیں گے تو کتنی تاریکی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ بارہویں جماعت تک کوئی امتحان نہیں ہوگا۔ تو پھر بھلا طلبہ اسکول جائیں گے کیوں؟ پڑھیں گے کیوں اور اساتذہ بھی کیوں کر پڑھائیں گے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل کی تعلیم گاہیں نئی نسل کی قتل گاہیں بن جائیں گی، سیاسی پارٹیاں اور نیتا اپنا اپنا اسکول بنائیں گے، جہاں کاغذ کی ڈگری دیکھ کر منظور نظر اساتذہ کی تقرری ہوگی، اساتذہ کی تنخواہ سے ہر پارٹی، نیتا کو کمیشن ملا کرے گا۔ جب طلبہ کی حاضری اور امتحان لازمی نہیں ہوگا تو ظاہر ہے اسکول صرف کاغذ پر ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ کسی سیاسی پارٹی یا نیتا کی نرسری ہوگا۔ عنقریب ہمیں اپنے سماج میں اسکول مافیا کو پھلتا پھولتا دیکھنا ہوگا۔ (معاذ اللہ)

لہٰذا یہ قانون مدارس مخالف، اقلیتی اسکول مخالف اور معیاری تعلیم مخالف قانون ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک دشمن ذہن کی اپج ہے، اس لیے قانون کی مخالفت اور اس میں ترمیم ضروری ہے۔

دوسرا حملہ: ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ بل ۲۰۱۰ء:

انکم ٹیکس کا مجوزہ قانون دراصل خدا اور مذہب پر ٹیکس لگانے کی ایک کوشش ہے، جس کی رو سے مساجد اور دیگر عبادت گاہوں کو ملنے والے عطیات پر ۳۰٪ کے حساب سے انکم ٹیکس ادا کرنا لازمی ہوجائے گا۔ مسجد کے امام صاحب اور ٹرسٹی حضرات انکم ٹیکس افسران کی زد میں آجائیں گے، نہ صرف مساجد کا بہی کھاتہ چیک کیا جائے گا بلکہ انکم ٹیکس کے اصولوں کے مطابق پرکھا جائے گا۔ انکم ٹیکس آفس کا ہرکارہ پیش امام صاحب کو اپنے آفس طلب کرے گا اور امام صاحب کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ متعلقہ آفیسر کو ''مطمئن'' کریں۔ ایسا سب اس لیے ہوجائے گا کہ مجوزہ قانون کی رو سے مسجد اور دیگر عبادت گاہیں منافع بخش ادارہ ہیں اور اگر انہیں انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لیے غیر نفع بخش ادارہ کے زمرہ میں آنا ہو تو اپنی عبادت گاہ کو کسی خاص مذہب کے لیے مخصوص رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یعنی مسجد اگر صرف مسلمانوں کی عبادت کے لیے مخصوص ہوگی تو وہ غیر نفع بخش ادارہ کے زمرہ میں نہیں آسکتی۔ اب ظاہر ہے اس شرط کو تو پورا کرنا ناممکن ہے یعنی مسجد کو ہندوؤں، عیسائیوں اور سکھوں کی عبادت کے لیے کھول دیا جائے۔ لہٰذا اس کا شمار نفع بخش ادارہ میں ہوگا اور اسے ہر سال نہ صرف انکم ٹیکس بلکہ ویلتھ ٹیکس بھی ادا کرنا ہوگا۔ (مسجد کی مارکیٹ قیمت کا ایک فیصد)

اقبال نے بہت پہلے کہا تھا کہ

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدہ کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

مگر اس نئے ٹیکس قانون سے تو سجدہ پر بھی ٹیکس لگایا جارہا ہے۔

لہٰذا یہ قانون ایک مذہب دشمن قانون ہے، اور اس پر مسلمانوں کا مضطرب اور بے چین ہونا فطری ہے، دیگر مذاہب کے لوگ کیوں خاموش ہیں یہ بھی جگ ظاہر ہے، قانون اور اس کا اطلاق دو الگ چیزیں ہیں، ٹاڈا اور پوٹا اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، مسلمان اس لئے خاموش نہیں رہ سکتے کہ دوسرے خاموش ہیں بلکہ ہماری بے چینی، بیداری اور تحریک نہ صرف

ہمارے بلکہ سارے مذاہب کے ماننے والوں کے لیے ایک ضرورت ہے، ہم جو شمع روشن کرتے ہیں وہ سب کے لیے اور ہم جو انصاف کی بات کرتے ہیں وہ سارے انسانوں کے لیے ہے اس لیے کہ ہم ایک خود غرض قوم نہیں، خیر امت ہیں، ہمارا ملک ایک مذہبی ملک ہے اور ایسے ملک میں ایک مذہب دشمن ٹیکس قانون کو ہم برداشت نہیں کر سکتے، اور اس کی مخالفت صرف اس لیے ترک نہیں کر سکتے کہ اس کی زد صرف ہماری عبادت گاہوں پر نہیں پڑتی ہے، ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ قانون ملک کے مذہبی اور رفاہی اداروں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا اور انہیں غیر معمولی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا اس قانون کی مخالفت اور اس میں ترمیم ضروری ہے۔

تیسرا حملہ: وقف ایکٹ ۲۰۱۰ء:

ہمارے آباء واجداد نے ثواب جاریہ حاصل کرنے کی نیت سے بڑے پیمانے پر جائدادیں وقف کی ہیں تاکہ ملت ان سے فیض یاب ہو۔ مگر افسوس کہ ہزاروں وقف جائیدادیں حکومت کے قبضہ میں ہیں یا برائے نام کرایہ پر اٹھادی گئی ہیں، مگر اس قانون کی رو سے غیر رجسٹرڈ وقف جائیدادوں کو قانونی چارہ جوئی سے محروم رکھا گیا ہے۔

وقف کی جائداد کے انخلاء کے لیے یہ ایکٹ غیر مؤثر ہے۔ لہٰذا وقف کے قانون کا اثر دار ہونا ضروری ہے۔ فی زمانہ اتنے بڑے پیمانے پر وقف کی جائدادیں ہیں کہ اگر وہ مسلمانوں کو حاصل ہو جائیں اور مسلمان انہیں بہتر طریقے سے استعمال کریں تو کم از کم ان کی تمام تعلیمی اور رفاہی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس ضمن میں متعلقہ کمیٹیوں سے مسلسل رابطہ میں ہے اور مؤثر وقف قانون بنانے کے لیے کوشاں ہے۔

چوتھا حملہ: زرعی جائیداد میں وراثت کا قانون:

اتر پردیش میں کھیتی باڑی کی زمین کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ سے محروم کیا گیا ہے۔ جو صریحاً شریعت کے خلاف ہے۔ آج جبکہ پوری دنیا میں خواتین کے حقوق کا چرچا ہے یوپی کی عورتیں کاشت کی زمین میں وراثت سے محروم کر دی گئی ہیں۔

شریعت دشمن عناصر اکثر یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے، شاہ بانو کیس میں جسٹس چندر چوڑ نے بھی یہ ریمارک پاس کیا تھا کہ اسلام کا تاریک پہلو عورتوں سے متعلق احکامات ہیں جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں شریعت اپیلی کیشن ایکٹ کی منظوری ہندو رسم ورواج کے ذریعہ ایک مسلمان بیٹی کو وراثت سے محروم کر دینے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اور شریعت کی وجہ سے ہی وہ دوبارہ عدالت کے ذریعہ اپنا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

مذہب ہو یا تعلیم، عورت ہو یا مرد ہر کسی کو انصاف ملنا شریعت کے ذریعہ ہی ممکن ہے اس لیے کہ شریعت انسانوں کے پیدا کرنے والے کا بنایا ہوا قانون ہے اور مسلمان اس قانون کے پابند اور اس کے رکھوالے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نہ صرف شرعی احکامات کی پابندی کریں بلکہ شریعت پر آنچ تک نہ آنے دیں اور کسی بھی راستہ سے اس میں کی جانے والی مداخلت کو برداشت نہ کریں۔ چاہے وہ سرکار کی طرف سے ہو یا کسی اور کی۔ دشمنوں کی جانب سے ہو یا ''خیر خواہوں'' کی جانب سے۔

مسلمانانِ ہند کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اکثر اپنے مسائل کے حل کے لیے قیادت کا رونا روتے ہیں، مگر الحمدللہ ان کی خوش نصیبی یہ ہے کہ کم از کم شریعت کے محاذ پر انہیں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی بیدار مغز، مخلص اور دور اندیش قیادت میسر ہے۔

ماضی میں کامیابی کی تاریخ رقم کرتے ہوئے آج آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانوں کی ملی شناخت کی بقاء اور احیاء کے لیے چومکھی لڑائی لڑ رہا ہے۔ ایک ایسی لڑائی جس سے صرف مسلمانوں کی نہیں پورے ملک کی تقدیر وابستہ ہے، ممبئی میں منعقد ہونے والے بورڈ کے بائیسویں اجلاس عام کو اسی تناظر میں دیکھنے اور اسے کامیاب بنانے کی ضرورت ہے۔

آج سے چالیس سال پہلے اسی شہر سے اٹھنے والی تحفظ شریعت ایک نئے عزم اور حوصلہ کے ساتھ دوسرے دور میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ دفاع اور استقلال کے ساتھ ساتھ عمومی خیر خواہی جو خیر امت کا وطیرہ ہے۔ تاکہ شریعت کی روشنی سے صرف اپنا ہی گھر روشن نہ ہو پورا ملک فیضیاب ہو۔

RTE، انکم ٹیکس کا نیا قانون، زرعی جائداد میں وراثت کا قانون صرف نئے محاذ نہیں، نئے مواقع اور نئے اُفق ہیں، اگر مسلمانانِ ہند نے بالعموم اور مسلمانانِ ممبئی نے بالخصوص آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اسی طرح ساتھ دیا جیسا چالیس سال پہلے دیا تھا تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمانانِ ہند دفاعی نفسیات سے آگے بڑھ کر اس ملک میں اپنے کھوئے ہوئے مقام اور قائدانہ منصب کو دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ ان شاءاللہ

۞۞۞

مسلم پرسنل لا اور شہر ممبئی

پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی (رکن عاملہ ورڈ،ممبئی)

ممبئی اگرچہ ملک کی تجارتی راجدھانی ہے مگر مسلم مسائل کے معاملہ میں اس کا دل ہمیشہ ملت کے ساتھ دھڑکتا رہا ہے، بلکہ مشترکہ ملی قیادت کو نمائندہ پلیٹ فارم مہیا کرنے میں ممبئی نے تاریخی رول انجام دیا ہے۔ باشندگان ملک اگر اس شہر کو ۱۹۴۲ء کی ''بھارت چھوڑو'' تحریک کے لئے یاد کرتے ہیں جو یہاں کے اگست کرانتی میدان سے شروع ہوئی تھی اور ۱۹۴۶ء کی برطانوی حکومت کے خلاف نیوی کی بغاوت کے لئے یاد کرسکتے ہیں جس نے برطانوی اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی تو اسے مسلمانوں کی دینی آزادی کے لئے اٹھنے والی تحریک کے لئے بھی بجا طور سے یاد کیا جاسکتا ہے،اس کنونشن کی مناسبت سے جو دسمبر ۱۹۷۲ء میں ''مسلم پرسنل لا'' کے موضوع پر ہوا تھا۔اور ممبئی کے YMCA میدان میں ملک کے کونے کونے سے تقریباً ڈھائی لاکھ افراد نے اس میں شرکت کی تھی۔ اس وقت جبکہ پارلیمنٹ میں لے پالک بل (متبنیٰ بل) Adoption of Children Bill-1972 پیش کیا جارہا تھا اور جس کے متعلق ملک کے اس وقت کے وزیر قانون گوکھلے نے پارلیمنٹ میں بیان دیا تھا کہ ''یہ بل یکساں سول کوڈ کی جانب ایک مضبوط قدم ہے'' قاری محمد طیبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ (سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر) کی مایہ ناز قیادت میں مسلمانوں نے یہ سمجھنے میں غلطی نہیں کی کہ اس بل کا مقصد محض مسلمانوں کے عائلی قوانین میں مداخلت اور مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی راہ ہموار کرنے بلکہ اس کی جگہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے تو پہلے ہی سے متبنیٰ کا قانون Hindu Adoption & Maintenance Act 1956 موجود تھا۔ چنانچہ اس موقع پر کل ہند سطح کے کنونشن کا انعقاد کرکے مسلم امت نے اپنی قیادت کے ذریعہ واضح کردیا تھا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم یا مداخلت ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی اور یکساں سول کوڈ اس ملک کے مسلمانوں کے لئے کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ جس کے بعد ارباب اقتدار نے بیان بازی کا ایک سلسلہ شروع کردیا جس میں مسلم پرسنل لا میں مداخلت کرنے کی یقین دہانیوں کے ساتھ یہ شوشہ بھی شامل تھا کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی مسلمانوں کی رضامندی سے ہی کی جائے گی۔ ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس دائیں بازو اور بائیں بازو کی فکری قیادت نے مشترکہ طور پر مسلمانوں میں سے ایسے منافقین تلاش کرلئے جو مسلم پرسنل لا پر اعتراضات کرکے اس میں ترمیم کی راہیں ہموار کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ تاکہ حکومت کے لئے یہ کام آسان ہوجائے۔ اب ایک طرف حکومت تھی جس نے دستور کے رہنما اصولوں میں دفعہ ۴۴ کے ذریعہ مسلمانوں کے سروں پر یکساں سول کوڈ کی تلوار لٹکا رکھی تھی۔ دوسری طرف دائیں بازو اور بائیں بازو کی جماعتیں تھیں جنھوں نے ہمارے پرسنل لا میں مداخلت کے لئے کافی واویلا مچا رکھا تھا۔ اور تیسری طرف منافقین کا وہ ٹولہ تھا جو خود کو مسلمان ظاہر کرکے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے مطالبات بڑھ چڑھ کے کررہا تھا اور جسے حکومت کے علاوہ دائیں اور بائیں بازو والوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

مسلمانوں نے ممبئی کنونشن کے ذریعہ واضح کردیا کہ اب وہ حکومت کی بیان بازی پر یقین نہیں کرسکتے، مسلم پرسنل لا کے لئے جدوجہد وہ مستقل کرتے رہیں گے اور یہ فرقہ پرستی نہیں بلکہ اس میں مداخلت کی کوشش دراصل فرقہ پرستی ہے۔ انہوں نے واضح کردیا کہ حکومت کے خلاف محاذ آرائی کا ہمیں شوق نہیں مگر اپنے شرعی قوانین کی حفاظت ہمارا حق ہے۔

اس تاریخی کنونشن کے اہتمام میں بابائے قوم یوسف پٹیلؒ، جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب (موجودہ سینئر سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) مولانا ظل الرحمٰن صدیقی صاحبؒ، ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحبؒ، جناب اصغر علی عابدی صاحبؒ، مولانا مختار احمد ندوی صاحبؒ،

مولانا شمس پیرزادہ صاحبؒ، جناب ہارون موزہ والا صاحب، احمد زکریا صاحبؒ، مصطفیٰ فقیہ صاحبؒ، اوران کے علاوہ جناب غلام محمود بنات والا صاحبؒاورضیاءالدین بخاری صاحبؒجیسی عظیم شخصیات پیش پیش رہیں۔

اس کنونشن کے فوراً بعد یعنی مئی ۱۹۷۳ء میں مولانا شمس پیرزادہؒ کی قیادت میں جماعت اسلامی نے ممبئی ہی میں آل مہاراشٹر خواتین کانفرنس کا انعقاد کیا۔ جس کے اہتمام اور پروگراموں میں محترمہ قیصر بیگم نیازی صاحبہؒ محترمہ راشدہ مدعو صاحبہ، محترمہ شاہدہ انصاری صاحبہ (موجودہ رکن بورڈ) اورمحترمہ انیسہ عابدی صاحبہؒ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دوروزہ خواتین کانفرنس کے ذریعہ جس کا انعقاد ممبئی کے مایہ ناز صابوصدیق پالی ٹیکنک گراؤنڈ پر کیا گیا تھا حکومت وقت کو یہ پیغام دیا گیا کہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت کومسلم خواتین بھی کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتیں۔اس کانفرنس میں مسلم پرسنل لا کے مختلف پہلوؤں پر نہ صرف بحث اور جائزے لئے گئے۔ خواتین کے ذریعہ شرکاء کومسلم پرسنل لا کی اہمیت وافادیت کی تفہیم کرائی گئی اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ شریعت اسلامی خواتین کے حق میں کتنی عظیم نعمت ہے۔مسلم خواتین کی اس نمائندہ کانفرنس نے واضح کردیا کہ منافقین کے ٹولے میں موجود مہرالنساء دلوائی (زوجہ حمید دلوائی) یا شہناز شیخ جیسی خواتین ملت کی اصل نمائندہ نہیں بلکہ ان کی نمائندگی وہی خواتین کرسکتی ہیں جو مہاراشٹر کے کونے کونے سے آکر مسلم پرسنل لا کے تئیں اپنی بیداری اوراس سے اپنی ایمانی اوردلی وابستگی کا ثبوت فراہم کررہی ہیں۔

دوسراموقع جس پرمسلمانان ممبئی نے پرسنل لا کے لئے غیرمعمولی بیداری کا ثبوت دیا وہ شاہ بانوکیس کا موقع تھا۔ ۲۵راپریل ۱۹۸۵ء کے فیصلہ کی خبراخبارات میں پڑھتے ہی فوری طور پراخبارات کوخطوط اورمضامین کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نہ صرف اردو بلکہ انگریزی، ہندی اور مراٹھی زبانوں کے اخبارات میں مراسلے اورمضامین ارسال کئے گئے اورایک ہفتہ کے اندر اندر پہلے احتجاجی پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں شرکاء کی تعداد پچیس ہزار سے کم نہیں تھی۔ اس دوران خواتین میں غیرمعمولی بیداری دیکھی گئی اور خواتین کے لئے علیحدہ احتجاجی جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا جنھوں نے شہر کے کونے کونے میں احتجاجی اجلاس کا اہتمام کیا۔ بورڈ کی قیادت نے زبردست تعاون اور پشت پناہی فراہم کی۔ چونکہ شاہ بانوکیس کا تعلق خواتین سے تھا اور اس مرتبہ سپریم کورٹ نے ''مسلم خواتین کی ہمدردی'' کے بہانے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی کوشش اوریکساں سول کوڈ کی وکالت کی تھی لہٰذا خواتین کی سرگرمیوں کا عجیب عالم رہا۔ممبئی ہی سے ناچیز کواس تحریک میں ہر قدم پر شریک رہنے کا موقع ملا۔مولانا شمس پیرزادہ صاحبؒ اور جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب کے تعاون اور رہنمائی میں تحریک نے اتنی قوت حاصل کی کہ ممبئی دوسرے شہروں کے لئے نظیر بن گیا۔ اور پھر ممبئی والوں کومختلف مقامات سے مدعو کیا جانے لگا جس میں خواتین کے احتجاجی جلسوں کا انعقاد پیش نظر تھا۔ اس دوران اکولہ، جلگاؤں، ناگپور، مالیگاؤں، اورنگ آباد، بھساول، بلڈانہ، ایوت محل، امراوتی وغیرہ مقامات کے ممبئی والوں نے دورے کئے۔ ہرجگہ خواتین کی تعداد میں دس دس ہزارتک پہنچ گئی تھی جبکہ مالیگاؤں میں یہ تعداد پچیس ہزارتھی، ہم نے منافقین کے جس ٹولے کا تذکرہ پہلے کیا ہے وہ بھی شہر میں پوری طرح سرگرم تھے خاص طور سے مہرالنساء دلوائی اور شہناز شیخ وغیرہ نے ممبئی میں مسلسل پروگرام کئے۔ جبکہ شہر کے برادران وخواہران اسلام نے ان کا ہرجگہ تعاقب کیاان کے ہر پروگرام میں شرکت کی۔افہام وتفہیم کی کوشش کی ان کی غلط فہمیوں کودور کرنے کی کوشش کی اوراسلام کے متعلق ان کے بیہودہ ریمارکس پراحتجاج بھی کیا۔ایسے احتجاج کے دومواقع ہم کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔ پہلا موقع وہ تھا جب حمید دلوائی کی بیوی مہرالنساء اسلام پر براہ راست کیچڑ اچھال رہی تھی جب اس پر اعتراض کیا گیا تو سوال کرنے والوں کو ہال سے باہر نکال دیا گیااور ایک ایک کرکے تمام داڑھی والوں اورحجاب پوش خواتین کو ہال سے باہر نکال دیا گیا مگراس کے باوجود لوگوں نے مراٹھا مندر ہال کے باہرا تنا زبردست احتجاج کیا کہ پریس رپورٹر ہال چھوڑ کر باہر آگئے اور مظاہرہ کرنے والوں کے بیانات پوری سنجیدگی سے نوٹ کرنے لگے جبکہ مہرالنساء دلوائی ہال کے عقبی دروازے سے خاموشی کے ساتھ فرار ہوگئی۔

دوسرا موقع ممبئی کے تاریخی KC کالج ہال میں مسلم مطلقہ بل کے خلاف ہونے والے پروگرم کا تھا۔خبرملی تھی اس پروگرام میں سپریم کورٹ کی ایڈوکیٹ سونا خان شرکت کررہی ہیں اوروہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے پیش کئے گئے مسلم مطلقہ بل کے خلاف اظہار خیال کریں گی۔ چنانچہ ممبئی کے حساس دل اور غیرت مند مسلم نوجوان مرد وخواتین نے اس

پروگرام میں بڑی تعداد میں شرکت کا فیصلہ کیا اور KC کالج کے وسیع ہال میں مختلف سیٹوں پر الگ الگ بیٹھ گئے جبکہ ایک اچھی خاصی تعداد کالج ہال کے باہر احتجاجی پلے کارڈ لئے خاموش مظاہرہ کررہی تھی۔ جیسے ہی سونا خان نے اسلام پر اعتراضات کی بوچھار شروع کی اور ''مولویوں'' ''ملاؤں'' کے خلاف مغلظات بکنا شروع کیا ہال میں شریک برادران ملت نے کچھ سوالات اٹھائے مگر جواب دینے کے بجائے پھر اسی طرح چن چن کر تمام اہل ایمان کو ہال سے نکال دیا گیا۔ اس پر باہر جاکے اعتراض کیا گیا اور پھر یہ اعتراض احتجاج میں تبدیل ہوگیا۔ بات مسلمانوں کے خاندانی قوانین کی چل رہی تھی اور ہال میں مسلمانوں کو شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ اس سے بڑی زیادتی اور کیا ہوسکتی تھی؟ بہرکیف احتجاج کرنے والوں کو بالآخر گرفتار کرلیا گیا، مگر جیل میں (اگرچہ وہ کچھ گھنٹہ ہی رہے ہونگے) ان کی استقامت کا عجیب عالم تھا، ایک بہن ۱۰ر ماہ کے بچے کو چھوڑ کر آئی تھیں، ایک شدید بخار میں مبتلا تھیں مگر صبر کا بہترین مظاہرہ کیا گیا کوئی ہائے و وایلا نہیں مچی، شریف مردوں اور باپردہ و باکردار خواتین کو مجرموں کے ساتھ بند کردیا گیا تھا۔ مگر زبان پہ کسی کی حرف شکایت نہیں تھا۔ سب نماز و عبادت میں مشغول رہے یہاں تک کہ بورڈ کے ممبئی کے سرگرم رکن جناب ضیاء الدین بخاری تشریف لائے اور جیل اتھارٹیز سے بات کرکے گرفتار شدگان کو رہائی دلائی۔ اس وقت مسلمانوں نے جس استقامت کا مظاہرہ کیا اس کی جھلک اور جب گھر والوں کو پتہ چلا کہ بیٹی شریعت کے تحفظ کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے جاچکی ہے تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا ''اگر ہمیں اندازہ ہوتا کہ یہ سب ہونے والا ہے تو اور بڑی تعداد میں گھر کے سارے لوگ شرکت کرتے''۔ صورتحال یہ بن گئی تھی کہ باحجاب خواتین کا گروپ اگر ایک ساتھ چلتا نظر آتا تو لوگ دور ہی سے دیکھ کر کہنے لگتے کہ ''شریعت مورچہ'' جارہا ہے۔

اس دوران اخبارات میں مضامین، مراسلوں کے علاوہ پریس کانفرنس کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا گیا۔ وکیلوں اور دانشوروں کے لئے خصوصی کنونشن منعقد کرائے گئے۔ دانیال لطیفی (وکیل شاہ بانو) تک کو مدعو کیا گیا اور انہیں بھی مطلقہ کے معاملہ میں شرعی قوانین کی حکمت سمجھائی گئی۔ اس کے بعد بھی جب جب تحفظ شریعت مہم کا اہتمام کیا جاتا تھا ممبئی نے اپنی مکمل بیداری کا ثبوت دیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی قیادت میں بورڈ کے اجلاس عام کی میزبانی کا شرف ۱۹۹۹ء میں ایک بار پھر ممبئی کو حاصل ہوا۔ جس کا انعقاد اکتوبر ۱۹۹۹ء میں ممبئی کے حج ہاؤس میں کیا گیا تھا اور اب ایک مرتبہ پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بائیسویں کل ہند اجلاس کا اہتمام اسی حج ہاؤس میں ۲۰ر۲۱ر۲۲ر اپریل ۲۰۱۲ء کو کیا جارہا ہے۔

بورڈ کے ذریعہ ''آئینی حقوق بچاؤ تحریک'' کا جو اہتمام کیا جارہا ہے اس میں بھی ممبئی نے سرگرم رول ادا کیا ہے۔ تحریک کے کل ہند کنوینر حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی ممبئی آمد پر عظیم الشان احتجاجی جلسہ عام کا انعقاد شہر کے انجمن اسلام ہائی اسکول گراؤنڈ پر کیا گیا۔ اور اس کے بعد مضافاتی علاقہ بھیونڈی اور ممبرا میں بھی بورڈ کے احتجاجی جلسہ عام کا انعقاد کیا گیا۔ جن میں شرکاء کی تعداد دس دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ان اجلاس سے مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے علاوہ ڈاکٹر ظہیر قاضی صاحب، مولانا سجاد نعمانی صاحب (رکن عاملہ مسلم پرسنل لا بورڈ)، مولانا مفتی حذیفہ قاسمی صاحب، مولانا عبدالبراثری صاحب اور اس ناچیز نے خطاب کیا جس میں بورڈ کی جانب سے چلائی جانے والی اس تحریک کے تئیں مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کی گئی۔ اور ابھی اس کا سلسلہ تعلیمی کمیٹی، وکلاء و پروفیشنلز کمیٹی کے ذریعہ بھی جاری ہے تاکہ تحریک کے لئے اٹھائے گئے مسائل پر ملت کے ہر طبقہ کو بیدار کیا جاسکے۔

۲۲ر اپریل ۲۰۱۲ء کی شام اجلاس عام کا انعقاد بہت بڑے پیمانے پر شہر کے آزاد میدان میں کیا جارہا ہے۔ اور ۲۳ر اپریل ۲۰۱۲ء کو خواتین کے لئے خصوصی اجلاس کا اہتمام کیا جائے گا۔ ممبئی نے عام طور پر بورڈ کی مالی ضروریات پر بھی خاص توجہ دی ہے اور اس سلسلہ میں کافی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔

اس وقت شہر اپنی پوری تندہی اور مستعدی کے ساتھ آنے والے مہمانوں کا منتظر ہے جو بورڈ کے ۲۲ رویں اجلاس میں شرکت کے لئے ملک کے کونے کونے سے تشریف لارہے ہیں۔

❁❁❁

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا

کارواں منزل کی طرف رواں دواں

از: وقارالدین لطیفی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ایسے وقت اور حالات میں ہوا جب حکومت کا قانون سازی کے ذریعہ شرعی قوانین کو بے اثر کرنے کی کوشش، پارلیمنٹ میں لے پالک بل کی پیشی اور یونیفارم سول کوڈ کی تدوین کی طرف پہلا قدم قرار دینا تھا جس کے نتیجہ میں مسلمانان ہند کے مختلف مسالک کی عظیم شخصیتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئیں اور اس سلسلہ کی سب سے پہلی نشست حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحبؒ امیر شریعت رابع بہار واڑیسہ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریک پر دیوبند میں ہوئی، جس میں طے پایا کہ مسلم پرسنل لا کا نمائندہ کنونشن ممبئی میں منعقد کیا جائے۔ چنانچہ ۲۷/۲۸/ دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد ممبئی میں تاریخ ساز کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں اتفاق رائے سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور پھر اجلاس حیدرآباد منعقدہ ۷/اپریل ۱۹۷۳ء میں اس کی باضابطہ تشکیل عمل میں آئی۔ تحفظ شریعت کے اس کنونشن نے بہ اتفاق آراء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا پہلا صدر منتخب کیا اور امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحبؒ جو اس تحریک کے روح رواں تھے بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری قرار پائے۔ اور بورڈ کے ۱۰۲/ارکان بنیادی قرار دیئے گئے، اس طرح ۳۱/رکنی مجلس عاملہ کی بھی تشکیل ہوئی اور بورڈ کے پلیٹ فارم سے یہ پیغام دیا گیا کہ ہم باہمی جھگڑوں، مسلکی، سیاسی اور علاقائی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر قانون شریعت کی حفاظت کے لئے پوری قوت اور کامل اتحاد کے ساتھ واضح موقف اختیار کریں گے۔ بورڈ نے شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کے تحفظ، مسلمانوں کو معاشرتی زندگی کے شرعی آداب واحکام سے واقف کرانے اور مسلم معاشرہ سے تمام غیر اسلامی رسم و رواج اور غیر شرعی امور کو مٹا دینے کے لئے جامع منصوبہ بنایا۔ بورڈ نے اپنا کام شروع کیا۔ ملک کے ہر گوشہ میں مقامی، ضلعی اور صوبائی سطح پر عظیم کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد ہوئے اور اس موضوع سے متعلق بیش قیمت رسائل بھی لکھے گئے اور ملک کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کرا کر ملک کے گوشے گوشے میں پہونچایا گیا جس سے لوگوں میں مسئلہ سے واقفیت پیدا ہوئی اور اس کی اہمیت کا احساس بیدار ہوا، اور ان کے اندر اپنے حقوق کے تحفظ کا جذبہ اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوا۔ یہ مسلمانانِ ہند کے لئے ایک تاریخ ساز اور قابل قدر پیش رفت تھی جو مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک کے نتیجہ میں ہوئی۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ملت اسلامیہ کے لئے تاریخ کا ایک موڑ ثابت ہوا۔ جہاں ملت کی منتشر صلاحیتیں ایک مرکز پر جمع ہوگئیں، وہیں حالات نے پلٹا کھایا، مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا نعرہ لگانے والوں کے لہجہ میں معذرت کا انداز پیدا ہوا اور اب یہ کہا جانے لگا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم اسی وقت کی جاسکتی ہے جب خود مسلمان چاہیں۔

بورڈ کی بنیادی ذمہ داری:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے قیام کے بعد بنیادی طور پر مختصراً درج ذیل ذمہ داریاں قبول کیں:

۱۔ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنا۔

۲۔ ہر اس کوشش کا مقابلہ کرنا جو شریعت میں مداخلت کے لئے براہ راست، بالواسطہ یا متوازی قانون سازی کے ذریعہ کی جارہی ہو۔

۳۔مسلمانوں کو شرعی احکام، قوانین اسلامی و آداب اور حقوق و فرائض سے واقف کرانا۔

۴۔اسلام کے عائلی قوانین کے نفاذ کی ہمہ گیر جد و جہد، فقہ اسلامی کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام اور شریعت اسلامیہ کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کا حل تلاش کرنا۔

۵۔مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک اور فرقوں کے مابین باہمی اشتراک و تعاون اور روابط و اتحاد کو پروان چڑھانا۔

لے پالک، ایمرجنسی اور بورڈ:

بورڈ کے قیام کی وجوہات میں سے ایک لے پالک بل کی پارلیمنٹ میں پیشی بھی تھی جس کے بارے میں بورڈ نے اپنے تاریخ ساز کنونشن ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء بمبئی میں اعلان کیا کہ ''قانونِ تبنیت ۱۹۷۲ء اپنی موجودہ شکل میں قانون شریعت میں مداخلت ہے اور بورڈ نے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے'' کی قرار منظوری کی، جس کے بعد بورڈ کی طرف سے اس سلسلہ میں مختلف جلسے اور اجتماعات منعقد ہوئے، خود بورڈ کی مجلس عاملہ اور جنرل کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ حیدرآباد، الہ آباد، بھوپال، بنگلور، رانچی، دہلی اور پونا میں اہم تجاویز منظور کیں، جن میں کہا گیا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نزدیک مسودہ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء شریعت اسلامی کے خلاف اور قرآن کی صریح نصوص سے متصادم ہے۔

بورڈ نے اس بل کے خلاف تفصیلی تجاویز حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے رکھیں اور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ اس متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی صورت نکالی گئی ہے اور اس سے شریعت میں مداخلت ہوتی ہے جو مسلمانوں کے لئے کسی طرح قابل برداشت نہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ تیار کی گئی فضا کا یہ نتیجہ ہوا کہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے علماء کرام، قانون دانوں، دانشوروں اور اداروں کے نمائندوں نے اتنی بڑی تعداد میں شہادتیں دیں اور بل کی مخالفت میں مشورے دئے۔

بورڈ کی رہنمائی میں مسلمانوں کی جانب سے جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے پرزور مدلل نمائندگی کی وجہ سے اس کمیٹی کے تین مسلم ارکان نے علیحدہ نوٹ پیش کیا اور اس بل کی منظوری کی صورت میں مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دینے کی رائے پیش کی۔

بالآخر ۱۹/جولائی ۱۹۷۸ء کو جنتا پارٹی کی حکومت نے مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کو معقول تسلیم کرتے ہوئے بل کو یہ کہتے ہوئے واپس لے لیا کہ: ''اسلامی فقہ متبنیٰ کو وراثتی حقوق عطا نہیں کرتی، یہ قانون مسلمانوں کے جذبات کے مغائر ہے۔اس لئے واپس لیا جارہا ہے''۔

۱۶/دسمبر ۱۹۸۰ء کو دوبارہ پارلیمنٹ میں متبنیٰ بل پیش ہوا، مسلم پرسنل لا بورڈ کی جد و جہد اور بروقت بیداری کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس بل کے اندر واضح الفاظ میں مسلمانوں کو قانون تبنیت سے مستثنیٰ کردیا گیا۔اسی طرح بورڈ نے یکساں سول کوڈ کو مسترد کرتے ہوئے اس کو دستور کے بنیادی حقوق کے خلاف قرار دیا اور کہا کہ اس طرح کے کسی بھی اقدام کا مطلب مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے انحراف پر مجبور کرنا ہوگا، جو کسی مسلمان کے لئے کسی حال میں قابل برداشت نہیں ہوسکتا۔ بورڈ دستور ہند کی دفعہ ۴۴ کے دائرہ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کئے جانے کی برابر تحریک چلاتا رہا۔

جون ۱۹۷۵ء میں جب ملک میں ایمرجنسی نافذ کی گئی اخبارات اور پریس کی پابندی نے رائے عامّہ کو بھی سامنے آنے سے روک رکھا تھا۔ گرفتاریوں، ایذا رسانیوں اور آزمائشوں کی اس نازک گھڑی میں بورڈ نے بڑی جرأت اور استقلال کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۷/۱۸/اپریل ۱۹۷۶ء کو دہلی میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا جس میں مسئلہ کی صحیح وضاحت کی گئی اور نسبندی کے مسئلہ پر شرعی موقف واضح کیا۔ پریس نے ان فیصلوں کو شائع کرنے سے انکار کردیا۔مگر بورڈ نے اپنے ذرائع سے شرعی موقف کو طبع کرایا اور لازمی نسبندی کے خلاف واضح اور مضبوط موقف اختیار کیا، یقیناً اس اقدام سے ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ میں جرأت مندی، عزم و استقامت اور اظہار حق کی بہترین مثال قائم ہوئی اور مسلمانانِ ہند کو بروقت رہنمائی ملی، جس کو بورڈ کا ایک اہم اور جرأت مندانہ تاریخی کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔

بورڈ اور مقابر و مساجد کا تحفظ:

اکتوبر ۱۹۷۸ء میں الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ نے مساجد و مقابر سے متعلق ایک ایسا فیصلہ دیا جس کے تحت لکھنؤ کی دو مسجدوں اور قبرستان کو ایکوائر کرنے کی اجازت حکومت یوپی کو مل گئی اور جے پور کی ایک مسجد کو وہاں کی کارپوریشن نے ایکوائر کرلیا، مساجد و مقابر کی مسلمہ حرمت ختم کردی گئی، اوراس کے تقدس کو مجروح کردیا گیا، اس میں حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ جس مسجد یا قبرستان کو مفاد عامہ کی خاطر اپنے قبضہ میں لینا چاہے لے سکتی ہے، اوراس کی ملکیت کوسلب کرکے کسی بھی مصرف میں استعمال کرسکتی ہے۔

بورڈ نے مسلم پرسنل لا اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی امور پر اس فیصلہ کے دوررس اثرات کا بھرپور جائزہ لیا۔ جنرل سکریٹری بورڈ نے اپنے گشتی مراسلہ کے ذریعہ ملک کے مسلمانوں کواس فیصلہ کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور اس کے مضر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے حکومت کے ذمہ داروں کواس کے خلاف تجاویز اور ٹیلی گرام بھیجنے کی اپیل کی۔ بورڈ کے ذمہ داروں نے اس موضوع پر متعدد مرتبہ وزیر اعظم سے ملاقاتیں کیں، میمورنڈم پیش کئے، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ سنٹرل ایکزیویشن ایکٹ میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے ہر مذہب کے تقدس والے مقامات محفوظ ہوجائیں اورانہیں گورنمنٹ یا کوئی با اختیار ادارہ ضبط نہ کرسکے۔ چنانچہ بورڈ کی کوششوں سے سرکار کا مسجد کوا یکوائر کرنے کا ارادہ مٹی میں مل گیا۔لکھنؤ کی دونوں مسجدیں وقبرستان اور جے پور کی مسجد الحمدللہ مسلمانوں کوواپس کردی گئیں اورآج بھی بدستور قائم ہیں۔

بلا شبہ بورڈ کے بروقت اقدامات، مسلمانان ہند کی متفقہ آواز اور بھرپور احتجاج سے مقدس مقامات کے تحفظ کی راہ ہموار ہوئی، مزید کوششیں جاری ہیں۔

بابری مسجد مقدمہ:

الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ میں ۱۹۶۱ء سے چل رہے بابری مسجد حقیت کے مقدمہ کو بورڈ نے اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد نگرانی اور پیروی کی، ہائی کورٹ کے متنازعہ فیصلہ کے بعد بورڈ کی طرف سے ۶/اپیلیں سپریم کورٹ میں داخل کی گئی ہیں اور بورڈ پورے طور پر بابری مسجد کے تمام مقدمات کی پیروی کررہا ہے، حکومت ہند کی طرف سے اسباب انہدام کی جانچ کے لئے بنائے گئے جسٹس لبراہن کی سربراہی میں لبراہن کمیشن کے سامنے باربار بورڈ نے پیروی کی اب اس کی رپورٹ بھی کمیشن کی طرف سے حکومت کو پیش کی جاچکی ہے، اوراس کے مطابق بورڈ ایف آئی آر درج کرنے نیز اس رپورٹ کے مطابق مجرمین پر کارروائی کرنے کے لئے کوششیں کررہا ہے، اور بابری مسجد کے انہدام کے جرم سے متعلق فوجداری مقدمات میں بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن جناب ظفریاب جیلانی صاحب کی نگرانی میں لکھنؤ ورائے بریلی کی عدالتوں میں پیروی کررہا ہے۔

بورڈ اور مقدمہ نفقہ مطلقہ:

مسلم پرسنل لا بورڈ کے پیش نظر بورڈ کے قیام کے بعد ہی سے نیا ضابطہ فوجداری ۱۹۷۳ء توجہ کا مرکز بنا رہا۔ جس میں مسلم مطلقہ کے لئے تا حیات یا تا نکاح ثانی سابق شوہر سے نفقہ دلانے کی تجویز تھی، بورڈ کے ذمہ داروں نے اس سلسلہ میں متعدد مرتبہ اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی سے ملاقاتیں کیں، مسئلہ کی پیچیدگی اور شریعت اسلامیہ سے اس کے تصادم کوواضح کیا، لیکن یہ بل اپنے مراحل طے کرتا ہوا قابل اعتراض صورت میں آخری خواندگی کے لئے پارلیمنٹ میں پیش ہوگیا، اس وقت بورڈ کے ذمہ داروں نے بروقت وزیر اعظم کی یاددہانی کی اوران کواپنا وعدہ یاددلایا۔ بڑی جدوجہد کے بعداس کی آخری خواندگی روک دی گئی اور کچھ دنوں کے بعد چند ترمیموں کے ساتھ پاس ہوکر قانون بن گیا، نیوسی۔آر۔پی۔سی۔(Cr. P. C) کی دفعہ نمبر(۱۲۵) واضح طور پر شریعت اسلامیہ کے قانون نفقہ سے مختلف تھی۔ بورڈ کی جدوجہد کے نتیجہ میں دفعہ (۱۲۷) میں ایک شق کا اضافہ کیا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر طلاق دینے والے شوہر نے شرعی واجبات ادا کردئے ہیں یا مطلقہ نے معاف کردیا ہے تو دفعہ نمبر(۱۲۵) کے ذریعہ حاصل شدہ ڈگری منسوخ ہوجائے گی۔ تاہم یہ ترمیم بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کی منشا کے بالکل مطابق نہیں تھی۔

ان ہی دنوں سپریم کورٹ نے محمد احمد خاں بنام شاہ بانو کیس میں نہ صرف مطلقہ کے لئے تاحیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم کیا، بلکہ قرآن

پاک کی من مانی تفسیر بھی کی اور ایسا مطلب بیان کیا جو اسلامی تاریخ میں کسی نے نہیں بیان کیا تھا۔ جو احادیث رسولؐ، آثار صحابہؓ اور فقہ اسلامی کے بالکل خلاف تھا اور شریعت میں کھلی مداخلت تھی۔ بورڈ نے اس کا بھر پور نوٹس لیا۔ پورے ملک میں سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف تحریک چلائی، بورڈ کے ذمہ داروں نے پورے ملک کا دورہ کیا اور اس تحریک میں مسلمان عورتوں نے بھی پورا حصہ لیا اور اس فیصلہ کو دین میں کھلی مداخلت قرار دیتے ہوئے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ ''ہمیں سپریم کورٹ کا فیصلہ نہیں، شریعت کا حکم چاہیئے''۔ اس کے بعد بورڈ کے صدر اور جنرل سکریٹری نے وزیر اعظم سے براہ راست ملاقات کر کے ان کو مطمئن کیا، ۳۰/جولائی ۱۹۸۵ء اور ۱۷/ فروری ۱۹۸۶ء کو دونوں ذمہ داروں نے وزیر اعظم سے ملاقاتیں کیں اور ان کے سامنے نفقۂ مطلقہ کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا، اور یہ تأثر پیدا ہوا کہ وزیر اعظم کا ذہن کھلا ہوا ہے وہ مسائل کو سمجھنا اور پھر انہیں حل کرنا چاہتے ہیں، اور اس خیال کی تائید وزیر اعظم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ستمبر ۱۹۸۶ء میں ایک تمل اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

''اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دیئے ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتے''۔

آخر کار اس تحریک کے نتیجہ میں حکومت ہند نے ۶/مئی ۱۹۸۶ء کو قانون حقوق مسلم مطلقہ ۱۹۸۶ء پاس کر کے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو رد کر دیا اور اسلامی قانون نفقہ جاری کیا۔

حالانکہ قانون کے بعض نقائص کو اس وقت بھی محسوس کیا گیا تھا، اور اس کے ازالہ کے لئے ترمیمات مرتب کر کے حکومت کے حوالہ بھی کی گئیں۔ جواب میں یہی کہا گیا کہ اس وقت تو قانون کو پاس ہو جانے دیجئے، ترمیم تو آرڈیننس کے ذریعہ بھی ہو جائے گی۔ مگر سیاسی حالات اور مرکز میں حکومتوں کی تبدیلی کی وجہ سے پیش رفت رک گئی۔

تحفظ حقوق مسلم مطلقہ قانون کے دستوری جواز کو چیلنج کیا گیا اور اس کے خلاف کئی رٹس سپریم کورٹ میں فائل ہوئیں۔ علاوہ ازیں کئی ہائی کورٹس کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں بھی دائر ہوئیں۔ پٹنہ اور حیدر آباد ہائی کورٹس کے فیصلے قانون شریعت سے ہم آہنگ تھے، ممبئی اور گجرات ہائی کورٹس کے فیصلوں نے اس کی تعبیر بالکل مختلف کرتے ہوئے مطلقہ کے لئے تاحیات یا تا عقد ثانی سابقہ شوہر کی جانب سے گزارہ کی رقم ضروری قرار دی۔ سپریم کورٹ میں ان مقدمات کی سماعت جولائی و اگست ۲۰۰۰ء میں ہوئی، مگر اس دستوری بنچ نے فیصلہ ایک سال بعد ستمبر ۲۰۰۱ء میں سنایا جس کی وجہ سے تحفظ حقوق مسلم مطلقہ قانون کے بنانے کا مقصد فوت ہو گیا۔ ماہ مئی ۲۰۰۱ء میں ممبئی ہائی کورٹ کی اورنگ آباد کی فل بنچ نے وقوع طلاق کے بارے میں ایک فیصلہ دیا جو قانون شریعت سے متصادم ہے۔ اس سلسلہ میں بورڈ کی طرف سے ماہرین قانون کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اسی پس منظر میں نفقہ مطلقہ کے ایک مقدمہ کی بورڈ سپریم کورٹ میں پیروی بھی کر رہا ہے تاکہ سابق میں جو کمیاں رہ گئی ہیں اس میں اس کی تلافی کی جا سکے۔

اوقافی آمدنی پر ٹیکس اور قانون وقف میں ترمیم:

اوقاف کی جائیدادوں پر انکم ٹیکس کے نئے قوانین ۱۹۸۰ء جس میں انکم ٹیکس سے استثناء کی یہ شکل رکھی گئی تھی کہ ۱۹۷۳ء کے بعد اضافہ شدہ جائیداد کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم کو نیشنلائزڈ بینک میں فکسڈ ڈپازٹ کر دیا جائے، اور یہ طریقہ اختیار نہ کیا گیا تو اوقاف کی جائیداد پر انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس عائد کیا جا سکتا تھا، بورڈ نے اس کا سخت نوٹس لیا اور پوری توجہ دی اور محترم جنرل سکریٹری نے ایک مؤقر وفد لے کر وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی سے مل کر پوری صورت حال بیان کی اور میمورنڈم پیش کیا اور پھر متعلق وزراء و عہدیداروں سے نمائندگی کا سلسلہ شروع ہوا، اور جب جناب نارائن دت تیواری وزیر مالیات بنے یہ بلا مسلم اوقاف کے سر سے ٹل گئی۔

مسلم پرسنل لا بورڈ برسوں سے کوشاں رہا ہے کہ اوقاف کے قانون میں ایسی ترمیم لائی جائے جس سے وقف بورڈ کی جمہوری حیثیت نمایاں ہو اور اوقاف کی جائیداد کو قانونی تحفظ حاصل ہو۔

۱۹۸۴ء میں مرکزی حکومت نے اچانک راجیہ سبھا میں بل پیش کر دیا۔ یہ بل گرچہ بہت طویل تھا اور اسے جامع اور ہمہ گیر قانون کی طرف مضبوط قدم قرار دیا گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس بل میں وقف کی جمہوری حیثیت اور طاقت کو پورے طور پر ختم کر دیا گیا تھا۔ فوری طور پر بورڈ کے نمائندوں نے

کوششیں کیں۔اس بل کے نفاذ کورکوا کر اپنی ترمیمات پیش کیں۔

نئے وقف ایکٹ کی قانون سازی کے لئے بورڈ کے وفد نے مرکزی وزیر جناب سیتارام کیسری سے نمائندگی کی، جس کے بعد بورڈ کے وفود اور مرکزی وزراء اور متعلق عہدیداروں کے درمیان تجاویز پر تبادلۂ خیال ہوا۔اس کے بعد وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء بنایا گیا۔جس میں بورڈ کی کئی تجاویز کو شامل کیا گیا۔اور باقی کے لئے یہ وعدہ کیا گیا کہ آئندہ اس میں ترمیم کردی جائیگی، چنانچہ بورڈ کے اکابرین مسلسل اس کے لئے کوشاں رہے اور متعلق وزراء سے مستقل رابطہ میں رہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت اوقافی امور کے وزیر محترم جناب سلمان خورشید صاحب نے بورڈ اور پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کو اندھیرے میں رکھ کر اچانک ہندوستان کی تاریخ کے بر خلاف ۷رمئی ۲۰۱۱ءکولوک سبھا میں پیش کر کے منظور کرانے میں کامیابی ضرور حاصل کر لی تھی مگر اب اس کو قانون کا حصہ بنانے کے لئے ضروری تھا کہ راجیہ سبھا سے منظور ہو، بورڈ کے ذمہ داروں نے حکومت کے وزراء اور مسلم ارکان پارلیمان کے ساتھ مسلسل نشستیں کیں اور جناب سلمان خورشید صاحب کو صاف لفظوں میں دوٹوک جواب دیا گیا کہ بورڈ کی ترمیمات جب تک اس میں شامل نہیں کی جائینگی اس وقت تک ہمیں وقف کا یہ قانون قبول نہیں ہوگا،حکومت نے محسوس کرلیا کہ اب راجیہ سبھا سے منظور کرانا ممکن نہیں ہے اس لئے حکومت نے خاموشی کے ساتھ سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کردیا اور ان کی جو رپورٹ اب سامنے آئی اس میں بھی بورڈ کے ساتھ دھوکہ کیا گیا جس میں صرف اور صرف ٹال مٹول اور حکمراں جماعت کو خوش کرنے کی حکمت عملی اپنائی گئی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ وقف ترمیمی بل کے سلسلہ میں حکومت کی اور نہ ہی اس کے وزیروں کی کبھی نیت صاف رہی، لیکن بورڈ کی حساس اور ذمہ دار قیادت اس پر مستقل نگاہ جمائے ہوئے ہے اور اس قیادت نے اپنے منشور میں یہ داخل کرلیا ہے کہ جب تک حکومت اس میں ہماری ترمیمات کو شامل نہیں کرلیتی بورڈ اس وقت تک چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا ہے،ابھی تو اتر پردیش میں مرکز کی حکمراں جماعت کو منہ کی کھانی پڑی ہے اگر مسلمانوں کے تئیں مرکزی حکومت کے نظریہ میں تبدیلی نہیں آتی ہے تو ۲۰۱۴ء میں اس کا حساب بھی برابر کرنے کی کوشش کرے گا۔

اب ہمیں کوشش کرنی ہے کہ قانون وقف مکمل طور پر قانون شریعت سے ہم آہنگ ہو اور وقف کی حفاظت وصیانت کا معقول نظم اس میں ملحوظ رکھا جائے۔

بورڈ کی عدالتی اور قانونی سرگرمیاں:

بورڈ شروع دن سے عدالتوں اور قانون ساز اداروں سے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی لڑائی لڑتا رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ یکے بعد دیگرے بورڈ نے مختلف لڑائیاں لڑیں، متبنی بل، یونیفارم سول کوڈ، جبری نسبندی اور نفقہ مطلقہ وغیرہ لیکن اس وقت بھی بورڈ شعائر اسلامی اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے کئی طرح کی قانونی لڑائی لڑ رہا ہے، جس میں ایک داڑھی کا مسئلہ ہے کہ سپریم کورٹ میں ایرفورس کے ایک مسلم آفیسر نے رٹ داخل کرتے ہوئے بتایا کہ اس کو داڑھی رکھنے کے لئے منع کیا گیا ہے جبکہ داڑھی شعائر اسلام میں داخل ہے اور حکومت کا یہ قانون مذہبی آزادی کے بنیادی حق میں مداخلت ہے اس کیس میں حکومت ہند کی طرف سے جو جواب داخل کیا گیا اس میں کہا گیا کہ داڑھی رکھنا اسلام میں فرض نہیں ہے یہ صرف سنت ہے جس کی فرض کی طرح اہمیت نہیں ہے، حکومت ہند کا یہ جواب انتہائی قابل اعتراض ہے، بورڈ نے حکومت کو دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا کہ داڑھی شعائر اسلام میں داخل ہے اور یہ سنت ہے اور مسلمانوں کو اپنے رسولؐ کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے، حکومت ہند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ بتلائے کہ اسلام میں کیا چیز فرض ہے ۔کیا واجب ہے، کیا سنت ہے، اوران تینوں چیزوں کا مقام کیا ہے، اسے طے کرنے کا حق ہم حکومت کو نہیں دے سکتے، جب فوج اور ایرفورس میں سکھ ہم وطنوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت ہے تو مسلمانوں کو بھی داڑھی رکھنے کی اجازت دی جائے اور داڑھی نہ رکھنے کی جو ہدایات فوج اور ایرفورس میں ہے انہیں واپس لیا جائے۔داڑھی کے مسئلہ پر بورڈ نے اپنی نشستوں میں کئی بار غور کیا اور اب بھی بورڈ اس کی پیروی کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرا اہم مسئلہ دہلی ہائی کورٹ کے ہم جنسی کا

فیصلہ ہے جس پر بورڈ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جائے اور اس کے خلاف پر زور پیروی کی جائے اور بورڈ نے اس سلسلہ میں وزیراعظم سے ملاقات کرکے اس بدبختانہ فیصلے پر ایک میمورنڈم پیش کیا جسمیں خاص طور پر یہ تھا کہ ''ہم جنسی کو جرم نہ قرار دینے کے بارے میں دہلی ہائی کورٹ کے حالیہ فیصلہ کے خلاف حکومت ہند سخت موقف اختیار کرے اور اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اسی موقف کا اظہار کرے، یہ مطالبہ اسلئے ضروری ہے کہ مرکز کے وزراء مختلف اور متضاد خیالات کا اظہار کررہے ہیں، دہلی ہائی کورٹ میں وزارت داخلہ اور وزارت صحت کی جانب سے جو حلف نامے داخل کئے گئے ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اسلئے ضروری ہے کہ مرکزی حکومت ایک مضبوط موقف اختیار کرے جو دہلی ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف ہو اور جس میں ہم جنسی کو دفعہ 377 قانون تعزیرات ہند کے تحت جرم قرار دیا جائے۔ اور یہ حیثیت برقرار رکھی جائے۔'' چنانچہ بورڈ اس وقت سپریم کورٹ میں اس مقدمہ کی قانونی لڑائی لڑرہا ہے۔

اسی طرح ایک اہم اور تیسرا مسئلہ کیرالا ہائی کورٹ میں قرآن و سنت سوسائٹی کی جانب سے داخل ہونے والی وہ رٹ ہے جسمیں اسلامی قانون وراثت کو چیلنج کیا گیا ہے، کیرالا ہائی کورٹ نے اس میں حکومت ہند اور حکومت کیرالا کو فریق بنایا ہے، بورڈ کو جب اسکی اطلاع ملی تو بورڈ بھی اس میں فریق بن کر مقدمہ لڑرہا ہے اور حتی المقدور قانونی پیروی کررہا ہے۔ اور اس کے لئے کیرالا ہائی کورٹ کے مشہور وکلا کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہے۔

اسی طرح ایک پٹیشن سپریم کورٹ میں دارالقضا کے خلاف داخل کی گئی ہے جسمیں عدالت نے دارالعلوم دیوبند، حکومت ہند اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو فریق بنایا ہے اس رٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمان سرکاری عدالتوں کے خلاف شریعہ کورٹ قائم کررہے ہیں، بورڈ نے اس نوٹس کا بھرپور اور مدلل جواب سپریم کورٹ میں داخل کردیا ہے جسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ عدالت ملکی عدالت کے بالکل خلاف نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں نظام قضا کا سسٹم شروع سے رہا ہے، انگریزوں کے عہد میں بھی رہا ہے، یہاں خاص طور پر عائلی مسائل پر شریعت کی روشنی میں فیصلے کئے جاتے ہیں ایک طرح سے یہ عدالت کے بوجھ کو کم کرتا ہے، مخالفت نہیں، اس طرح بورڈ اس مقدمہ کی پیروی و نگرانی کررہا ہے۔

بورڈ کی دیگر خدمات:

بورڈ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کی مختلف کمیٹیاں اسکے دست و بازو ہیں، سماجی اصلاح و فلاح کی خاطر اصلاح معاشرہ کمیٹی ہے، وکلاء و دانشوروں کو اسلامی قانون سے واقفیت کرانے کے لئے تفہیم شریعت کمیٹی ہے، پورے ملک میں خاص طور پر شریعت اسلامی کی روشنی میں عائلی مسائل کے حل و تصفیہ کے لئے دارالقضا کمیٹی ہے، بابری مسجد ملکیت مقدمہ کی نگرانی اور سپریم کورٹ میں زیر دوراں حقیت مقدمہ کی نگرانی کے لئے ایک علیحدہ کمیٹی ہے، اس کے علاوہ دیگر شرعی مسائل کے خلاف پورے ملک میں دائر ہونے والے مقدمات اور اپیلوں کے جائزہ اور نگرانی کے لئے مستقل قانونی کمیٹی ہے اور ملک کے قانون ساز اداروں کے ذریعہ نئے وضع ہونے والے قانون پر نگاہ رکھنے اور اسلامی شریعت کے مطابق دستور ہند کی دفعہ ۲۵/۲۶/۲۹/ اور ۳۰/ کے تحت شریعت مخالف قوانین کی شقوں کے خلاف قانون ساز اداروں اور حکمراں جماعت کے وزراء سے مستقل رابطہ کے لئے ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک ہے جو حکومت اور اس کے عملے کو بروقت متوجہ کرنے اور حکومت کے خلاف عوام کے اندر بیداری پیدا کرنے کے فریضہ کو بھی بخوبی انجام دے رہی ہے، اور اس تحریک کی اہمیت کا مرکز میں حکمراں جماعت کو اترپردیش اسمبلی الیکشن کے نتائج سے بخوبی ہوگیا ہوگا۔

تین درجن سے کچھ زائد کتابیں بھی بورڈ نے طبع کی ہیں جسمیں اسلامی قانون کا دفعہ وار مجموعہ قوانین اسلامی کے نام سے مرتب مجموعہ کافی اہمیت کا حامل ہے، اسی طرح نظام قضا، تفہیم شریعت، اصلاح معاشرہ اور آئینی حقوق بچاؤ تحریک جیسے اہم موضوعات پر چھوٹے چھوٹے رسالے کافی اہم ہیں، گذشتہ چھ سالوں سے پابندی کے ساتھ بورڈ کا ترجمان سہ ماہی خبرنامہ بھی شائع ہورہا ہے اور عندالناس کافی مقبولیت بھی حاصل ہے۔

❁❁❁

مسلم پرسنل لا اور ہندوستان

مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی (استاد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر)

مسلم پرسنل لا کا مطلب ہے مسلمانوں کا شخصی قانون، دنیا کے تمام اہل مذاہب کے اپنے قانون ہیں، مثلا یہودی پرسنل لا، عیسائی پرسنل لا، ہندو پرسنل لا، سکھ پرسنل لا۔ لیکن دیگر پرسنل لاز اور مسلم پرسنل لا میں ایک بہت اہم اور بنیادی فرق ہے۔ مسلم پرسنل لا کے علاوہ دیگر پرسنل لاز نا قابل تغیر وتبدیلی نہیں ہیں، کیوں کہ ان پرسنل لاز کی بنیاد ایسے اصول وضوابط اور تعلیمات پر نہیں ہے جن کا تعلق وحی والہام سے ہو۔ چنانچہ وہ عہد اور حالات کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن مسلم پرسنل لا کی بنیاد کتاب الٰہی یعنی قرآن مجید پر ہے اور قرآن مجید چونکہ اللہ کی کتاب ہے اس لئے اس میں تبدیلی کا اختیار کسی انسان کو نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دیگر مذاہب کے آئیڈیلس متعدد شخصیات ہیں جبکہ مسلمانوں کے واحد آئیڈیل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس حقیقت پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہے، اس میں مسلمانوں کے کسی مکتب فکر کا کوئی اختلاف نہیں، مسلمان اسی صورت میں دیگر مذہبی شخصیات کی طرف رجوع کرتے ہیں جب کسی مسئلہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت موجود نہ ہو۔ اسی لئے مسلمانوں کے لا کا وہ پہلو اجتماعی اور متفق علیہ ہے جس کا تعلق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے ہے۔ بلاشبہ اس کا ایک پہلو غیر اجتماعی اور مختلف فیہ بھی ہے اور اس کا تعلق ان امور ومسائل سے ہے جن میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی واضح ہدایت موجود نہیں ہے۔ متفق علیہ امور ومسائل میں نہ تبدیلی کی گنجائش ہے اور نہ ان میں تبدیلی قابل قبول ہوسکتی ہے۔ البتہ مختلف فیہ امور ومسائل میں تبدیلی کی گنجائش ہے لیکن اس تبدیلی کا اختیار ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہے بلکہ یہ اختیار صرف ان اہل علم کو حاصل ہے جو کتاب و سنت پر بصیرت کی نظر رکھتے ہوں اور مزاج دین وشریعت سے واقف ہوں، اس لئے اگر اس طرح کے امور ومسائل میں حکومت کو تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہو تو وہ اپنے خدشات اور ریمارکس کے ساتھ مسلمانوں کے اس نمائندہ فورم سے رابطہ کرے جس کے ارکان ان خصوصیات کے حامل ہوں اور اس میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کی نمائندگی ہو۔ اور یہ حیثیت اس وقت صرف مسلم پرسنل لا بورڈ کو حاصل ہے۔

رہی یہ بات کہ اسلام کے کون کون سے امور ومعاملات ایسے ہیں جو متفق علیہ ہیں اور کون کون سے ایسے ہیں جو مختلف فیہ ہیں، نہ اس مختصر مضمون میں ان کی تفصیلات کی گنجائش ہے اور نہ ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا جان لینا کافی ہے کہ جن اسلامی قوانین کی بنیاد کتاب وسنت ہے وہ متفق علیہ ہیں اور جن کی بنیاد اجتہاد وقیاسات ہیں وہ مختلف فیہ ہیں۔ حکومت ان تفصیلات کے لئے بھی مسلم پرسنل لا بورڈ سے رجوع کرسکتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جس مسلم پرسنل لا کے بقا وتحفظ کی ضمانت چاہتے ہیں وہ متفق علیہ امور ومسائل پر ہی مشتمل ہیں۔ مختلف فیہ امور ومسائل پر نئے حالات اور ان کے تقاضوں کے تحت وہ خود ہی غور وخوض کررہے ہیں اور ان میں مناسب تبدیلی لا رہے ہیں، بالغ نظر اور ارباب بصیرت علماء کا ایک بورڈ اسلامک فقہ اکیڈمی کے نام سے تشکیل پاچکا ہے اور ارکان بورڈ اپنا کام کررہے ہیں جن سے حکومت ہند بھی ناواقف نہیں ہے۔

مسلم پرسنل لا عہد سلاطین سے اب تک کے ہندوستان میں

ہندوستان کے مسلم سلاطین کے عہد میں ہر چند کہ ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی قانون نافذ نہیں تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ تمام اہل مذاہب کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی تھی، بلاشبہ بعض شعبہ ہائے حیات اسلامی قانون کی عمل داری تھی لیکن اس اسلامی

قانون کی عمل داری سے نہ کسی مذہب میں مداخلت ہورہی تھی اور نہ کسی مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری ہورہی تھی۔ بلکہ اس عمل داری کے بے شمار فوائد غیر مسلمین کو بھی حاصل ہوئے، اسی لئے اپنی تمام کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود مسلم سلاطین یہاں صدیوں حکومت کرتے رہے، لیکن جب برطانوی سامراج آیا تو اس کو جن اسلامی ضابطوں سے خطرہ محسوس ہورہا تھا ان کا بلاتاخیر خاتمہ کیا تاکہ اس کے غاصبانہ اقتدار کو تحفظ حاصل ہوجائے۔ چنانچہ اس نے پہلے اسلامی فوجداری قانون کا خاتمہ کیا پھر شہادت اور معاہدات کے قانون پر نشانہ سادھا، اس کے بعد مسلمانوں کے معاشرتی قوانین کو تہ وبالا کرنے کی تدبیر شروع کی لیکن انہیں بہت جلد یہ احساس ہوگیا کہ اگر ان قوانین کے خاتمہ کی بھی کوشش کی گئی تو مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوجائے گا پھر ہماری حکومت کی الٹی گنتی بھی شروع ہوسکتی ہے کیوں کہ ان قوانین کا تعلق عام مسلمانوں کی زندگی میں پیش آنے والے روزمرہ کے واقعات سے ہے اور اس میں مداخلت مسلمان کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے انہوں نے اپنا یہ ارادہ بدل دیا اور پورے برطانوی عہد میں کم از کم مسلم پرسنل لا کا وہ حصہ دست برد سے محفوظ رہا جس کا تعلق مسلمانوں کی معاشرتی زندگی سے ہے۔

پھر جب ہندوستان انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوا تو اس وقت بھی مسلم پرسنل لا کے اس حصہ کو باقی رکھا گیا اور انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفعہ ۲ میں اس کی تصریح کردی گئی کہ

''شریعت ایکٹ کے نفاذ کے بعد کوئی دوسرا رواج یا دستور جو اس وقت عمل میں رہا ہو، شریعت کے خلاف ان معاملات میں جو مسلم پرسنل لا کے مطابق مسلمانوں میں نافذ کئے جانے چاہئیں لاگو نہیں ہوگا''۔

اور دستور ہند کی دفعہ ۲۹ میں جو بنیادی حقوق سے متعلق ہے یہ صراحت بھی کردی گئی ہے کہ

''مختلف اکائیوں کے لئے علیحدہ زبان، الگ رسم الخط اور علیحدہ تہذیب وتمدن کے تحفظ وبقا کی ضمانت ہوگی''۔

آزاد ہندوستان کے آئین کی یہ اور اس طرح کی بعض دیگر دفعات اور عہد سلاطین سے آزادی کے بعد تک کا یہ تسلسل ہی اس جمہوری ملک کے امن وسکون کا ضامن تھا، لیکن ہیجان پسند طبیعتوں اور طوفان خیز مزاجوں کو یہ پرسکون اور راحت فزا ماحول کیسے راس آسکتا تھا! اس لئے انہوں نے آئین میں ترمیم کی راہ نکالنی اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا راگ الاپنا شروع کردیا۔ حالانکہ یہ اس قدر غیر فطری خواہش اور ناعاقبت اندیشانہ اقدام ہے کہ اس سے مسائل کیا حل ہوتے ان میں اضافہ کی راہ کھل گئی۔

سب سے اہم سوال یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا ہے کیا؟ اس میں تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس کی جارہی ہے؟ اور اگر مسلم پرسنل لا باقی رہے تو اس سے سماج کے دوسرے طبقات کا نقصان کیا ہے؟

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

مسلم پرسنل لا اس قانون کا نام ہے جو مسلمانوں کی نجی اور خاندانی زندگی سے متعلق ہوتا ہے، یہ پرسنل لا انہیں ان کے فکر وعقیدہ پر قائم رکھتا ہے، ان کی عائلی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار رکھتا ہے، انہیں رسم ورواج میں افراط وتفریط اور زیغ وضلال سے محفوظ رکھتا ہے، ان کے باہمی تعلقات کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں سماج میں اپنے تشخص وامتیاز کے ساتھ جینے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مسلم پرسنل لا مسلمانوں کا اپنا بنایا ہوا قانون نہیں ہے بلکہ یہ خالق ارض وسماوات کا بنایا ہوا قانون ہے جس کے نفاذ کی ذمہ داری اس نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی تھی، اور آپؐ نے اس قانون کو سماج میں نافذ کرکے شر وفساد سے پاک دنیا کو امن وشانتی کا گہوارہ بنادیا تھا۔

ایک مسلمان اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ محض زبان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہ کرے بلکہ اس کے عمل وکردار میں بھی اس اقرار کی مکمل کارفرمائی ہو اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو خان، شیخ، سید، شاہ، صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی وغیرہ تو ہوسکتا ہے لیکن مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ایک مسلمان اگر محض لسانی اقراری ہے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے اسلئے مسلم پرسنل لا اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی

چاہئے۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کیوں؟

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ آخر مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس کی جارہی ہے؟ کیا یہ لا جس کے لئے بنایا گیا ہے وہ اس پر مطمئن نہیں ہیں؟ یا اس سے دوسروں کے لاز متاثر ہورہے ہیں؟ یا اس لا سے سماج کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں میں سے کوئی بات بھی نہیں، اگر چند نام نہاد مسلمان اس قانون سے مطمئن نہیں تو ان کے عدم اطمینان کی کوئی حیثیت نہیں کیوں کہ نہ وہ اسلام کے نمائندے ہیں، نہ ان کی زندگی ہی اسلامی ہے اور نہ وہ اسلامی تعلیمات کی حیثیت اور اہمیت ہی سے واقف ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے اطمینان اور عدم اطمینان سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ذرا سوچئے کہ جس نے طب نہ پڑھی ہو اور اسے طبیبوں کی مصاحبت بھی حاصل نہ ہو اگر وہ ادویات کے خواص اور امراض کی تشخیص پر لکچر دے تو اس کے اس لکچر کو کتنی اہمیت حاصل ہوگی۔

جہاں تک مسلم پرسنل لا سے دوسرے لاز کے متاثر ہونے کا معاملہ ہے تو یہ ممکن ہی نہیں، کیوں کہ اولاً مسلم پرسنل لا کا مزاج مثبت ہے منفی نہیں۔ ثانیاً اس کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والوں سے نہیں ہے اور اگر کہیں اس کا تعلق غیر مسلموں سے بھی نظر آتا ہے تو اس میں غیر مسلمین کا یکسر فائدہ ہے۔ اور ثالثاً یہ لا، عقلی، فطری اور منطقی ہے۔

اور جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ اس سے سماج کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے تو یہ خلاف واقعہ ہے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ اس قانون سے ہمیشہ سماج کو فائدہ پہنچا ہے، اسی لئے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والوں اور کثیر المذاہب ممالک کے سربراہوں نے بھی اس قانون سے پیچیدہ مسائل میں مدد لی ہے اور انہوں نے اپنے ممالک میں برپا ہیجان سے نجات پانے کے لئے اس قانون کا بے تکلف سہارا لیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیوں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟ جو لوگ تبدیلی کی بات کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں ملی تشخص اور مذہبی امتیازات مٹا کر یکسانیت لانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ہمارا ملک ہندوستان کثیر المذاہب ملک ہے، اور تمام مذاہب کے افکار و نظریات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان کی عبادات کے طور طریقے الگ الگ ہیں، ان کا عمل اور نتیجہ عمل کا تصور علیحدہ علیحدہ ہے، ان کی تہذیب و ثقافت جدا جدا ہے۔ اور کوئی بھی مذہب ان تمام پہلوؤں سے قربانی دینے کے لئے تیار نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا ورنہ اس کا اس مذہب سے تعلق ہی باقی نہیں رہے گا پھر بھلا ان میں یکسانیت کیوں کر ممکن ہے؟ علاوہ ازیں اس یکسانیت کا خواب دیکھنے سے فائدہ ہی کیا ہے جس کا نفع کچھ بھی نہ ہو لیکن مضرتیں ہزار ہوں، یہ سوچ تو فرائض سے چشم پوشی اور بے عملی کی پردہ پوشی کے لئے ایک انتہائی کمزور سہارے کی تلاش کی غماض ہے۔ آخر یہ حقیقت سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ تخالف اور تضاد کوئی عیب نہیں کیوں کہ یہ تو خاصہ کائنات ہے البتہ دو مخالف اور متضاد چیزوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا فرائض حکمرانی میں شامل ہے۔

اب تیسرا سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر مسلم پرسنل لا باقی رہے تو اس سے سماج کے دوسرے طبقات کا نقصان کیا ہے؟ اس کا جواب تو انہی کو دینا چاہئے جو اس تبدیلی کی مانگ کررہے ہیں اور اس کے لئے مسلسل راگ الاپ رہے ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے قیام و بقا کے سماجی فائدے

مسلم پرسنل لا کے قیام و بقا سے سماج کو متعدد فائدے حاصل ہورہے ہیں، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو مسلمان قوت مردانگی اور جنسی خواہش رکھتا ہے وہ ایک پابند اور باوقار ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ جس سماج میں یہ پابندی نہیں ہے اس میں انسان انسان نہیں رہ گیا ہے بلکہ وہ دو ٹانگوں کا جانور ہوگیا ہے۔ وہ اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے ناجائز اور ناپاک طریقہ اختیار کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر روحانی تسکین سے محروم ہے اور سماجی لحاظ سے عفت و عصمت پر ڈاکہ ڈالنے کی فضا ہموار کرتا ہے، وہ جنسی جذبہ سے مغلوبیت کے وقت محض اپنے

مثانے کا بوجھ اتارنے کے لئے جنس ضعیف کا ظرف استعمال کرتا ہے اور بوجھ اتارنے کے بعد اس سے غیر متعلق ہو کر اپنی دنیا میں کھو جاتا ہے اس کا نہ کوئی خاندان ہوتا ہے اور نہ اسے خاندانی برکتیں ہی حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب اس کے قویٰ مضمحل ہوتے ہیں تو وہ سماج کا ایک عضو معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ جنس ضعیف جسے اس مرد نے ہوس کا شکار بنایا ہے عمر گذرنے کے ساتھ دھرتی کا بوجھ بنتی چلی جاتی ہے اور پھر اسے اپنی آگے کی دنیا تاریک نظر آنے لگتی ہے۔

کیا ہمارا ملک اسی بے چارگی کا مشاہدہ کرنے کا خواہاں ہے؟

عورتوں کا اس بری طرح سے استحصال کرنے والے یا استحصال کی فضا ہموار کرنے والے دلائل سے عاجز ہونے کی صورت میں اسلام کے حق طلاق کو نشانہ بنانے لگتے ہیں، لیکن انہیں نہیں معلوم کہ طلاق صرف اس صورت میں ہے جب زوجین میں نباہ ناممکن ہو جائے اور اسلام میں جس طرح ایک مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اسی طرح ایک عورت کو بھی حق خلع دے کر اسے بھی کرب واذیت سے نجات کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ لیکن خوشگواری کے امکان کی صورت میں نہ مرد کو طلاق دینے کی اجازت ہے اور نہ عورت کو خلع کرانے کی۔ اب اگر اسلامی انداز پر انسانوں کو خوبصورت ازدواجی زندگی گزارنے کا موقع مل جائے تو سماج خود گندگی کے کیڑوں سے محفوظ ہو جائے۔

مسلم پرسنل لا کے قیام وبقا کا دوسرا بڑا سماجی فائدہ یہ ہے کہ اس سے دولت کا ارتکاز رک جاتا ہے اور مالدار کا مال تقسیم وراثت کے ذریعہ لوگوں میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اس طرح ایک شخص کے مال سے سماج کے بہت سے لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔

تقسیم وراثت کے سلسلہ میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے مردوں کا حصہ عورتوں سے زیادہ رکھا ہے اور یہ خلاف عدل ہے۔ حالانکہ مال کی یہ اسلامی تقسیم نہ صرف یہ کہ خلاف عدل نہیں بلکہ اس تقسیم میں عورتوں کے ساتھ خصوصی ہمدردی کا عنصر بہت غالب ہے کیونکہ بیشتر حالات میں کفالتی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتی ہے۔ ایک مرحلہ میں اس کی کفالت کی ذمہ داری والد کے سر ہوتی ہے، دوسرے مرحلہ میں شوہر کے سر اور تیسرے مرحلہ میں اولاد کے سر۔ پھر اسے زیادہ مال کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ ایک مرد بحیثیت بیٹا اپنے والدین کی کفالت کا ذمہ دار ہے، بحیثیت شوہر اپنی بیوی کی کفالت کا ذمہ دار ہے اور بحیثیت باپ اپنی اولاد کی کفالت کا ذمہ دار ہے، اس لئے اصلاً ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ سارا مال مرد ہی کا حصہ ہوتا۔ لیکن اسلام نے اس صنف نازک کے ساتھ خصوصی ہمدردی کا اظہار کیا ہے تاکہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جہاں اسے اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑ جائے تو اسے محرومی کا احساس نہ ہو۔

مسلم پرسنل لا کے قیام وبقا کا تیسرا بڑا سماجی فائدہ یہ ہے کہ سماج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بوجوہ وراثت سے محروم ہوتے ہیں یا وراثت سے محروم تو نہیں ہوتے لیکن ان پر اخراجات کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے ایسی صورت میں اسلام کا قانون وصیت حرکت میں آتا ہے اور وہ اس کی مجبوری اور پریشانی میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہے۔

مسلم پرسنل لا کے قیام وبقا کا چوتھا بڑا سماجی فائدہ ان غیر مسلمین کو پہنچتا ہے جو ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں رہتے ہیں، جہاں یہ پرسنل لا پڑوسی کی صورت میں محتاج اور ضرورت مند ہونے کی صورت میں، فسادزدہ یا سیلاب زدہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی ان عنایات سے مستفید ہیں جو اسلام سے وابستگی کی صورت میں ان پر لازم ہیں، اور اسلامی ملکوں میں تو ذمی ہونے کے باوجود وہ اپنے جان ومال کا مکمل تحفظ پاتے ہیں۔ اگر بعض مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا ہے تو اس کا سبب اسلام یا مسلم پرسنل لا نہیں ہے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں اسلام جاری وساری نہیں اور مسلم پرسنل لا روبعمل نہیں ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں جن کا استقصا اس مضمون میں مقصود نہیں ہے بلکہ ان چند پہلوؤں کی نشاندہی محض ''مشتے نمونے ازخروارے'' کی گئی ہے تاکہ مسلم پرسنل لا پر حملہ کرنے والے اس کی اہمیت کو سمجھیں۔

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (نائب ناظم امارت شرعیہ)

اللہ رب العزت نے روئے زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور اس کے ذمہ احکام خداوندی پر خود عمل کرنے اور دوسروں کو اس کے لیے آمادہ کرنے کا نازک اور حساس کام سونپا، کام کی اہمیت کے پیش نظر انبیاء ورسل بھیجے تاکہ وہ احکام خداوندی کو روئے زمین پر عملی تجسیم عطا کر کے لوگوں کو بتائیں کہ اس کے برکات وثمرات کیا ہیں اور کس طرح یہ انسانوں کی فطرت کے عین مطابق ہے، چنانچہ روئے زمین پر احکام الٰہی کا نفاذ ہوا اور یہ زمین نصرت خداوندی سے بھر دی گئی۔

ہندوستان میں اسی نصرت کے سہارے زمانہ دراز تک مسلمانوں کی حکومت رہی، بگڑے ہوئے حالات اور گئے گذرے دور میں بھی مسلمانوں نے پورے ہندوستان کو ایسی حکومت فراہم کی جس نے اسلامی قوانین پر جزوی عمل کے باوجود ہندوستان کو متحد اور پر امن بنا کر رکھا، غیر مسلم اقلیت بھی اسلامی رواداری سے پورے طور پر حصہ پاتی رہی اور کار جہاں چلتا رہا۔

پھر ہماری بے عملی اور بدعملی کے نتیجے میں حکومت مسلمانوں سے چھن گئی، انگریز غالب آئے اور انہوں نے ہندوستان کو نئے قوانین کے تحت چلانا شروع کیا، ایسے میں اسلامی عدالت کا تصور قصۂ پارینہ بن گیا، شریعت اسلامی کے قوانین مسلمانوں کے حق میں بھی پس پشت ڈال دیئے گئے۔ انگریز ججوں کے فیصلے مغلوب مسلمانوں پر بھی جاری ہونے لگے۔ اور ان کی حیثیت نہ ”جائے رفتن نہ پائے ماندن،، کی ہو کر رہ گئی۔

۱۸۶۶ء میں مسلم فوجداری قانون ختم کیا گیا، پھر قانون شہادت اور قانون معاہدات پر بجلی گری، عائلی قوانین یا فیملی لا بھی خطرے میں تھا؛ لیکن حکومت برطانیہ کے مقرر کردہ رائل کمیشن (Royal Commission) نے بار بار غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ سنایا کہ ان امور کا تعلق ان کی آپسی اور ذاتی زندگی سے ہے اور اس کو ختم کرنا مذہبی امور میں مداخلت اور مذہبی آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے، اس لیے حکومت برطانیہ کو اس سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ مسلمانوں کے عائلی قوانین محفوظ رہے، البتہ برطانوی عدالت سے رواج اور کسٹم کی بنیاد پر بعض ایسے فیصلے سامنے آتے رہے جو اسلامی عائلی قوانین سے مزاحم اور متصادم تھے ایسے ہی ایک واقعہ میں برطانوی عدالت نے ایک لڑکی کو باپ کے ترکہ سے یہ کہہ کر محروم کر دیا کہ اس کا خاندان نسلی طور پر غیر مسلم تھا اور جس نسل سے اس کا تعلق ہے اس میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا ہے، اس فیصلے نے علماء ومشائخ کو حکومت کے سامنے لا کھڑا کیا، ابو المحاسن مولانا محمد سجادؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ ودیگر علماء مشائخ نے اس فیصلے پر سخت احتجاج کیا، چنانچہ ان حضرات کی منظم جد وجہد کے نتیجے میں ۱۹۳۷ء میں شریعت اپلی کیشن ایکٹ پاس ہوا، جس کے مطابق مسلمانوں کو یہ حق دیا گیا کہ نکاح، طلاق، خلع، ہبہ، مباراۃ، فسخ نکاح، حق پرورش، حق میراث، ولایت، وصیت، ہبہ اور شفعہ سے متعلق معاملات میں مسلمانوں کے آپسی تنازعات شریعت اسلامی کے مطابق حل کیے جائیں گے اور اس سلسلے میں عرف اور رواج کو فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکے گا۔

ہندوستان آزاد ہوا تو دستور میں عقیدہ، ضمیر کی آزادی کے ساتھ مذہب پر عمل کی آزادی بھی دی گئی، البتہ رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ میں یکساں سول کوڈ کی ایک دفعہ رکھ دی گئی اور مسلمانوں کے اعتراض کے باوجود اسے دستور کا حصہ بنا دیا گیا اور مسلمانوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی کہ کوئی پاگل حکومت ہی ایسا کرنے کا سوچے گی۔

آزاد ہندستان میں اس دفعہ کا سہارا لے کر متعدد بار یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی، نام نہاد مسلمان جس کے سرخیل حمید دلوائی اور عبدالکریم چھاگلہ جیسے لوگ تھے اس مہم کو تیز کرنے میں مصروف رہے، ان کوششوں کے نتیجے میں ۲۳/مئی ۱۹۷۲ء کو راجیہ سبھا میں متبنی بل کا مسودہ پیش ہوا۔ اور اس بل کے ذریعہ یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کرنے کی کوشش

شروع ہوئی، اس بل کی رو سے لے پالک کو نسلی اولاد کے برابر حصے اور حقوق کی بات کہی گئی تھی یہ ایک غیر فطری قانون تھا، اس کے خلاف علماء میدان میں آئے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت رابعؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نیز اکابر علماء، دانشوران اور قانون داں حضرات مل بیٹھے اور ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ کو تاریخی کنونشن عروس البلاد ممبئی میں منعقد ہوا جس نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو وجود بخشا، اور بورڈ کی جانب سے شدید مخالفت کے نتیجے میں حکومت کو اس بل کو واپس لینا پڑا، ایمرجنسی کے دنوں میں سنجے گاندھی کی قیادت میں جبری نس بندی کا زور پکڑا جانے لگا، تو بورڈ نے کامیاب جد وجہد کے ذریعہ جبری نس بندی کے قانون کو منسوخ کرانے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی جد وجہد سے شاہ بانو کیس میں نفقہ مطلقہ کا مسئلہ حل ہوا اور دستور میں ترمیم کی گئی، بابری مسجد کیس کو اگر مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے ذمہ نہیں لیا ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کو خون کے ایک اور دریا سے گذرنا ہوتا، یہ بورڈ کی دانش مندانہ قیادت تھی، جس نے بابری مسجد کے انہدام کے بعد فیصلے کی بنیاد جوش پر نہیں ہوش پر رکھی۔

مختصر یہ کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے قیام کے وقت سے آج تک ملت کی رہنمائی اور داخلی وخارجی محاذ پر فتنوں کو روکنے کی مثالی خدمت انجام دی ہے، اللہ رب العزت نے اس کی قیادت آج تک جن لوگوں کے حوالے کی وہ ہندستان کے گل سرسبد رہے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ، امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، اپنے اپنے دور کی نابغۂ روزگار شخصیت تھیں، جو اس تاریخ ساز ادارے کے قافلہ سالار رہے، ان دنوں یہ کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کی قیادت میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہے، ان معمر حضرات کی دانشورانہ قیادت میں ہم نے بہت سارے مراحل طے کیے ہیں، آج پورا ہندوستان اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ قانون سازی آسان نہیں ہے، عدالتی فیصلوں پر نظر رکھی جا رہی ہے اور حسب ضرورت اس کے خلاف بھی رائے عامہ ہموار کیا جاتا رہا ہے، ہم نے مسلمانوں تک شرعی آداب واحکام، حقوق وفرائض، حدود واختیارات سے واقف کرنے کے لیے اچھا خاصہ لٹریچر فراہم کرایا ہے، فروعی مسائل میں تحمل وبرداشت کا مزاج بنانے میں بھی بورڈ نے اہم کردار ادا کیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے جس طرح اس کے علمی محاذ کو سنبھالا ہے اور تفہیم شریعت کی جو کوشش کی ہے اس سے وکلاء اور دانشوروں کی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں، جناب عبد الرحیم قریشی ایڈوکیٹ نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے موقف کو موثر لب ولہجہ میں لوگوں کے سامنے رکھ کر اس کی معقولیت کو تسلیم کرانے میں کامیابی حاصل کی ہے، ان حضرات کی کارکردگی اور اولوالعزمی کو دیکھ کر ہم جیسے کتنے جوانوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی کل ہند کنوینر شپ میں اصلاح معاشرہ کی مہم زوروں پر چل رہی ہے انہیں کی رہنمائی میں بورڈ نے لازمی حق تعلیم ایکٹ (R.T.E) وقف ترمیمی بل ۲۰۱۰ء مجوزہ مسودہ ڈائرکٹ ٹیکسیز کوڈ اور یوپی میں زرعی آراضی میں عورتوں کے ترکہ جیسے اہم معاملات پر پوری شدت کے ساتھ اپنا موقف حکومت اور عوام کے سامنے رکھا ہے اور ۲۶/نومبر ۲۰۱۱ء کی مجلس عاملہ میں جب ان قوانین کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کا فیصلہ لیا گیا تو پورا ہندوستان ان موضوعات پر بیدار ہو گیا، اور آج یہ تحریک زوروں پر چل رہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ نفقہ مطلقہ کے بعد بورڈ کی جانب سے چلائی جارہی یہ سب سے بڑی تحریک ہے، مسائل اور بھی ہیں ہر محاذ پر اچھا خاصہ کام ہو رہا ہے، گرد کارواں کے طور پر ہم جیسے لوگ بھی شریک ہیں، لیکن ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کو جن مسائل کا سامنا ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں، اور ختم ہو بھی نہیں سکتے ہیں، اس لیے کہ ملک کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ مسائل کھڑے کرتے رہے ہیں، کرتے رہیں گے، وہ آپ کی حرارت کے گراف پر نظر رکھتے ہیں، اگر آپ خاموش رہ گئے اور سرد مہری برتی تو آپ کے خلاف معاملہ شدت کے ساتھ اٹھے گا، آپ جاگتے رہیں، خود بھی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں اور شریعت اسلامی کے تقاضوں سے اپنی زندگی کو ہم آہنگ کریں، تلک جہیز اور خرافات سے پاک سماج بنائیں تو یہ داخلی اسپرٹ آپ کو خارجی حملوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرے گی، اور پرسنل لا کے خلاف لائے جانے والے ہر قانون کے خلاف ہماری منظم جد وجہد حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرے گی، مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہی ہدف ہے اور کام کا یہی محاذ ہے۔ ع

چلے چلو کہ ابھی وہ منزل نہیں آئی

❁❁❁

ہندوستانی جمہوریت اور مسلم پرسنل لا بورڈ

صفی اختر (معاون مدیر ملی اتحاد، نئی دہلی)

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، یہاں جمہوری اصولوں پر ہی پارلیمانی طرز حکومت کا انحصار ہے۔ ہندوستان مختلف زبان، نسل و رنگ، تہذیب وثقافت اور مختلف افکار وعقائد رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک ایسا چمن ہے جسے دستوری زبان میں Pluralistic Society بھی کہتے ہیں، کیوں کہ مختلف ذاتیں، گروہ، مذاہب، مسالک، علاقہ اور ثقافت پر یہ مشتمل ہے۔ اس طرز حکومت میں انسانی شخصیت کے احترام کو اہمیت حاصل ہے اور اس احترام کا مستحق سماج کا ہر فرد ہے۔ اس احترام میں پیدائش، امارت اور سماجی حیثیت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا، یہاں ہر گروہ کو اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے اصول ونظریات کے مطابق اپنے مذہبی رسوم ورواج ادا کرے اور ملکی قانون کے حدود میں رہتے ہوئے اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت اور اپنی تہذیب وثقافت کو فروغ دینے کے لیے کوشش کرے۔ یہاں عدل وانصاف کے قیام، سماجی، معاشی اور فکری آزادی کے ساتھ اپنے اپنے عقائد اور اپنی عبادات نیز اظہار خیال کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔

ہجرت کے بعد رسول اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک ایسی مملکت کی داغ بیل ڈالی تھی جس میں مسلمانوں اور یہودیوں کو یکساں طور پر مذہبی آزادی حاصل ہو اور دونوں یکساں طور پر دفاع کی ذمہ داریاں ادا کریں، جب تک کہ یہودیوں کی طرف سے بدعہدی کے واقعات پیش نہیں آئے، یہ معاہدہ باقی رہا۔ بہت سے اصحاب علم کا خیال ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں مطابقت پائی جاتی ہے اور وہ ایک طرز حکومت ہے جس کو اختیار کرنے میں مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے کوئی قباحت نہیں ہے، علامہ رشید رضا مصریؒ نے خلافت راشدہ کو جمہوریت ہی کی ایک شکل قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی کتاب 'الفاروق' میں کئی مقامات پر جمہوریت اور سوشلزم کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان کا یہ مقصد ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں کوئی مغائرت نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔ یعنی جمہوریت اپنے متعدد نقائص کے باوجود قابل ترجیح ہے اور اہل دنیا کے لیے ایک مفید سیاسی نظام ہے۔ اسلام کے تصور مساوات میں جو چیز نمایاں حیثیت رکھتی ہے، وہ قانون مساوات ہے، یعنی سارے لوگ خواہ ان کا تعلق سماج کے کسی طبقہ سے ہو، قانون کی نظر میں مساوی ہیں اور اس کی مثالیں اسلامی تاریخ میں بکثرت ہیں۔ جمہوری طرز حکومت میں دیگر اور آزادیوں کے عقیدہ وضمیر کی آزادی کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ کسی شخص یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کے عقیدہ ومذہب میں مداخلت کرے۔

ہندوستانی آئین کی رو سے دفعہ (1)25 کے تحت مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے نیز تمام شہریوں کو آزادئ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق حاصل ہے، بشرطیکہ اس سے امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ وغیرہ متاثر نہ ہوں۔ دستور کے تحت اپنے انداز کے ادارے قائم کرنے اور اپنے مذہبی امور کا انتظام ازخود چلانے، اپنی جداگانہ زبان، اپنے رسم خط، ثقافت کو محفوظ رکھنے کا بھی حق دیا گیا ہے۔ دفعہ 51 کے تحت ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرنے، اسے

برقرار رکھنے اور دانشمندانہ رویہ سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی واصلاحی شعور کو فروغ دینے کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔شریعت اسلامی میں تو اس بات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ ہر عہد کی ضرورت کو پوری کرے اور غیر مسلم بھائیوں کو بھی مذہبی آزادی دی جاسکے۔

قدیم ہندوستان میں اس دور میں بھی جب فرنگیوں اور انگریزوں کا یہاں اقتدار تھا اور یہاں کی پارلیمنٹ میں بھی ان کا ہی بول بالا تھا، اس دور میں بھی مسلمانان ہند کو اپنے مذہب اور اپنی شریعت پر چلنے کی آزادی حاصل تھی نیز اس وقت کی حکومت نے مسلمانوں کے پرسنل لا کو اہمیت دیتے ہوئے 1937ء میں اپنی پارلیمنٹ سے شریعت ایکٹ منظور کرا دیا تھا۔ شریعت اپلیکیشن ایکٹ 1937ء کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کو مکمل حق دیا گیا تھا کہ وہ عائلی امور مثلاً وراثت، نکاح، تنسیخ نکاح بشمول طلاق، ایلا، ظہار، لعان، خلع، مبارات، نفقہ، مہر، ولایت نابالغ، جائیداد، امانت، حق شفعہ، ہبہ اور اوقاف کے معاملات میں لازمی طور پر وہ اپنے پرسنل لا کے تابع ہوں گے۔ دوسری جانب وصیت اور تبنیت کے معاملات میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق اختیاری ہوگا، اگر کوئی عاقل بالغ شخص شریعت ایکٹ میں مذکورہ طریقے پر ان معاملات میں بھی مسلم پرسنل لا قبول کرتا ہے تو وہ خود اور اس کی نابالغ اولاد اور ان کے بعد کی پشتیں بھی ان معاملات میں شرعی قوانین کی پابند ہوں گی۔ زرعی اراضی سے متعلق مقدمات میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق بہ استثناء اتر پردیش، آندھرا پردیش اور ریاست تمل ناڈو ہوگا۔

ان سب کے باوجود انگریزوں کے مظالم سے ہندوستانی قوم بہت تنگ آچکی تھی اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے تھے، نتیجتاً ملک کو ایسی حکمرانی سے گلوخلاصی مطلوب تھی، لہٰذا پورا ملک ان ظالم وجابر حکمرانوں سے نجات پانے کے لیے کمربستہ ہوا اور بلا تفریق تمام برادران وطن متحد ہوگئے، ہمارے اسلاف نے قیمتی جانوں کے نذرانے دے دئے، حالات اس قدر خراب سے خراب تر ہوئے کہ بالآخر 1947ء میں ہمارا ملک غلامی سے آزادی کی طرف آیا۔ ملک نے راحت کی سانس لی۔ ان قربانیوں کے پس پشت ہندوستان کا ایک ویژن اور ایک خواب تھا، مگر یہاں کی دوسری سب سے بڑی اکثریت کے ساتھ جو امتیاز روا رکھا جارہا تھا، اس وقت اس کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ بہرحال اس ملک کا نیا آئین وجود میں آیا۔ ہندوستانی آئین کے معماروں میں باباصاحب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے ساتھ ہمارے اسلاف کی غیر معمولی صلاحیتیں بھی لگیں۔ نئے ہندوستان کی تعمیر میں دیگر بزرگوں کے ساتھ 'مجاہد ملت' مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی تھے، جنہیں پنڈت نہرو کے ترقی پسند عزائم اور مساعی کا حامی ومددگار بھی مانا جاتا ہے، بقول مولانا سیوہارویؒ: ''مذہب کی بنیاد پر یہاں کا دستور اور قانون ملک کے بسنے والوں کے مابین کوئی تفریق نہیں کرے گا، اس ملک میں بسنے والی چھوٹی سی چھوٹی اقلیت، یہاں تک کہ تین آدمیوں کی اقلیت کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہاں کی 90 فیصد اکثریت کو حاصل ہوں گے، مذہب یا کسی اور بنیاد پر کسی کا حق دبایا نہیں جائے گا''۔

بہرحال، بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں جبکہ اس ملک پر انگریز حکمراں تھے، ہندوستانی پارلیمنٹ میں 1937 میں جو شریعت اپلیکیشن ایکٹ منظور ہوا تھا اور جس کا نفاذ برطانوی دور حکومت میں بھی رہا تھا، آزادی کے بعد کے ہندوستان میں بعینہٖ اسی ایکٹ کو آئین ہند میں شامل کرلیا گیا اور آج بھی وہ برقرار ہے۔لیکن تمام تہذیبوں کو پھلنے پھولنے اور ترقی کے بھرپور مواقع کی دستوری ضمانت کے باوجود عملاً اس کی راہوں میں روڑے اٹکانے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔مسلم پرسنل لا کے تحت جو مسائل آتے ہیں اور جو خالصتاً مذہبی معاملات ہیں، اگر حکومت بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ اس کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کرے تو اس سے نہ صرف مسلمانوں کی انفرادیت اور ان کا تشخص متاثر ہوگا بلکہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت بھی ہوگی، اور آئین میں دی گئی مذہب وتہذیب کی آزادی پر حملہ ہوگا۔

1970 کی دہائی میں مسلمانوں پر فکری یلغاریں ہورہی تھیں، دستوری ضمانت کے باوجود قانون کی بعض شقوں کی ایسی تشریحات کا حوالہ

دیا جارہا تھا کہ باضمیر مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی فطری تھی، لہٰذا علمائے کرام کے درمیان سے صائب الرائے اور ذی علم حضرات اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے پوری لچک اور وسعت کے ساتھ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان پورے حالات رکھے اور پورے ملک کے اندر اپنی سخت دوڑ دھوپ کر کے مسلمانوں کو متحد کرنے کی ممکنہ کوششیں کی گئیں، مختلف مکاتب فکر اور جماعتوں، انجمنوں اور اداروں کو ساتھ لے کر ۲۸/۲۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کو ریاست مہاراشٹر کے عروس البلاد ممبئی میں ایک بڑا اجلاس منعقد کیا اور وہیں ایک نمائندہ بورڈ کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا اور پھر اپریل ۱۹۷۳ء شہر حیدرآباد میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے نام سے وجود میں آیا جس کو ملک گیر سطح پر آج تک اعتماد واعتبار حاصل ہے۔

مسلمانوں پر داخلی اور خارجی ہر دو سطح سے فکری اور عملی طور پر ہوتی یلغاروں کا ادراک ملک کے معروف علماء، فقہا اور اہل دانش وبینش بالخصوص حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، قاضی القضاۃ مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ، معروف رکن پارلیمنٹ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب، جناب یوسف پٹیل صاحب، جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، حضرت مولانا سید نظام الدین، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب اور دیگر اہم شخصیات نے ملک کے جمہوری وسیکولر اقدار کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں میں جہاں نئی روح پھونکی وہیں ارباب اقتدار کو بھی متوجہ کیا اور یہ کارواں پورے شعور، ہوشمندی اور سمجھداری کے ساتھ جس طرح رواں دواں ہوا تھا، آج بھی اپنی بعض کمزوریوں کے ساتھ ایمانی فراست، اور پورے سیاسی شعور اور ملی حمیت کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنے کے لئے ہمہ دم تیار ومستعد ہے۔

یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ جہاں عالمی سطح پر مسلمانوں کو اسلام اور ان کی فکری واسلامی میراث سے دور کرنے کی جارحانہ کوششیں ہوتی رہتی ہیں، وہیں اس ملک میں بھی تمام تر مذہبی آزادی کی ضمانت کے باوجود ملک کا ایک تشدد پسند وجارح طبقہ خواہ اس کا تعلق لیجسلیچر، اکزیکیٹو یا جوڈیشیری سے ہو، مسلمانوں کو زندگی کے عملی میدانوں سے کاٹنے، شریعت کے احکام واعمال کو بدنما کرنے اور مسلمانوں کو اپنے تمدن سے دور کرنے کیلئے کھلے اور چھپے انداز میں اپنے حملوں کا نشانہ بناتا رہتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے روشن ماضی اور اسلامی وراثت سے پھر جائیں یا اسلامی تمدن پر قائم رہنے کی سکت ختم ہو جائے، اس کے لیے وہ ہمارے مذہبی اور ثقافتی اداروں کو اپنے عتاب کا شکار بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے لیکن مذہبی امور میں مسلمانان ہند متحد ومتفق ہیں اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنا ان طاقتوں کے لیے بے حد کٹھن ہو رہا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تدبر وتفکر کے ساتھ تمام امور میں ان چیلنجز کو قبول کرتے ہوئے اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کریں اور میدان عمل میں آکر وقت کے ان چیلنجوں اور تقاضوں کے مطابق پرسنل لا اور عائلی قوانین کو اپنی زندگیوں میں بھی نافذ کریں۔ اگر ہم چاہیں تو ناموافق حالات کو بھی موافق بنا سکتے ہیں، اس کے لیے راستہ اور منزل کا واضح شعور ہو، متعین نشانہ ہو۔ افراد اور قوموں کے لیے ابھرنے کے امکانات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ دینی وملی کام کرنے کے لیے سب سے پہلے شعور کی بیداری کی ضرورت ہے۔ ملت کے اندر کوئی حقیقی اور مفید کام وجود میں لانے کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ملت کے افراد کو ذہنی حیثیت سے باشعور بنایا جائے، اس کے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت کو بیدار کیا جائے، صورت حال کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے اور اپنی قوتوں کو صحیح ڈھنگ سے منظم کیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ قوم کے اندر اگر تعمیری مزاج ہو تو اس کا ہر معاملہ اپنے آپ درست ہوتا چلا جائے گا۔ فرد کی اصلاح پر محنت کی جائے اور ایک باکردار اور صالح گروہ کی شکل میں ہم سامنے آئیں، خوف اور آخرت کی فکر کے ساتھ جو محنت ہوگی، وہ رنگ لائے گی۔ رب عزوجل ملت اسلامیہ ہندیہ کی ان کوششوں کو ثمر بار کرے۔ آمین!

۞۞۞

مسلمانوں کے باہمی حقوق

علامہ سید سلیمان ندویؒ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب کا بچہ بچہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن تھا، ایک ایک خون کا بدلہ کئی کئی پشتوں تک جا کر لیتے تھے، اس طرح خاندانوں میں لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا، اور ہر شخص اپنی جگہ پر اپنے کو ہمیشہ خطروں میں گھرا ہوا پاتا تھا، اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ہر وقت چوکنا رہتا تھا کہ کوئی اس پر حملہ نہ کر بیٹھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے ساتھ خون کے رشتے سے بڑھ کر ایک اور رشتہ لائے، اور وہ دین کا رشتہ تھا، جس نے مدت کے بچھڑوں کو ملا دیا، دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا، اور خاندانی وقبائلی یگانگی سے بڑھ کر اسلامی برادری کی یگانگی ان کے اندر پیدا کر دی، جس نے اس طرح ان کی ہر قسم کی عداوتوں کا خاتمہ کر دیا، اور باہمی دشمنیوں کو ان کے دلوں سے ایسا بھلا دیا، کہ وہ حقیقت میں بھائی بھائی ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ تم مرو لیکن مسلمان، اور خدا کی رسی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پھر تم بھائی بھائی ہو گئے۔‘‘ (آل عمران:۱۰۲)

مسلمانوں کے اس باہمی میل ملاپ اور محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل ظاہر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی روئے زمین کا سارا خزانہ بھی لٹا دیتا تو ان دشمنوں کو باہم ملا کر ایک نہیں کر سکتا تھا:

’’اور خدا نے مسلمانوں کے دل ملا دیئے اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا، تب بھی تو ان کے دلوں کو ملا نہ سکتا، لیکن خدا نے ملا دیا بیشک وہ (ہر مشکل پر) غالب آنے والا اور مصلحت جاننے والا ہے۔‘‘ (انفال:۶۳)

تو اب مسلمانوں کو یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر کریں اور سب مل کر خدا کے دین کی رسی کو جو ان کی یگانگی کا اصلی رشتہ ہے مضبوط پکڑیں اور باہمی اختلاف پیدا کر کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں کیونکہ اس رسی کی مضبوطی اسی وقت تک ہے جب تک سب مل کر اس کو پکڑے رہیں فرمایا:

’’اور اللہ اور رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو (کہ ایسا ہوگا تو ہمت ہار وگے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔‘‘ (انفال:۴۶)

یہی باہمی اتفاق واتحاد ملت اسلامیہ کی عمارت کا ستون ہے، اور مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ، اس شیرازہ کے استحکام کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں باہم الفت ومحبت ہو اب اگر اتفاق سے ان میں اختلاف پیش آ جائے، تو اسکے دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ دونوں خدا اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کریں:

’’تو اگر تم مسلمانوں میں کسی بات میں جھگڑا ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔‘‘ (نساء:۵۹)

اگر یہ جھگڑے بڑھتے بڑھتے جنگ تک پہنچ جائیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ جو فریق ظالم ہو سب مل کر اس سے لڑیں اور اس کو صلح پر مجبور کریں، اور جب وہ راضی ہوجائے تو عدل و انصاف سے ان میں صلح کرا دیں:

’’اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے، تو ظلم کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو، تو اگر وہ رجوع کر لے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو خدا منصفوں کو دوست رکھتا ہے، مومن تو آپس میں بھائی ہی ہیں تو اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔‘‘ (حجرات:۹،۱۰)

آیت کے اخیر ٹکڑے نے بتایا کہ باہم مسلمانوں میں بھائی بھائی کا رشتہ ہے، یہ رشتہ جنگ وخونریزی کے بعد بھی نہیں کٹتا، انہی آیتوں کے

تحت میں وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ (بخاری، مظالم)

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے، لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیونکر کی جائے، فرمایا اس طرح کہ اس کے ہاتھوں کو ظلم سے روکا جائے۔

کیسا ہی بڑا سے بڑا کافر، اور سخت سے دشمن ہو، جس وقت اس نے کلمہ شہادت پڑھا، اور شریعت اسلامی کو قبول کیا وہ دفعۃً ہمارا مذہبی بھائی ہوگیا خدا نے فرمایا:

''تو اگر یہ کافر (کفر سے) توبہ کرلیں، اور نماز کھڑی کریں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں''۔ (توبہ:۱۱)

غلام بھی اگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے تو وہ اسلام کے رشتہ میں داخل ہوگیا، اگر اس کے باپ کا نام ونسب نہیں معلوم تو کوئی حرج نہیں، وہ دین کے رشتہ سے ہر مسلمان کا بھائی ہے، فرمایا:

''تو اگر تم ان کے باپوں کے نام نہ جانو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور علاقہ مند۔'' (احزاب:۵)

ایک مسلمان کسی مسلمان کو قتل کردے، تب بھی اللہ تعالیٰ مقتول کے رشتہ داروں کو قاتل کا بھائی قرار دے کر اس کے جذبہ رحم کی تحریک فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

''تو اگر قاتل کو اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کردیا جائے۔'' (بقرہ:۱۷۸)

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی غیبت حرام ہے، کیونکہ ''کیا تم میں کوئی پسند کریگا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔'' (حجرات:۱۲)

تییموں کے مال کی دیکھ بھال اور خوبی سے اس کا انتظام کرنا، متولیوں کا فرض ہے، اور اگر وہ ان کو اپنے اندر شامل کرکے نیک نیتی کے ساتھ ان کو اپنے کنبہ کا جزو بنالیں، اور ملا جلا کر خرچ کریں، تو بھی درست ہے کیونکہ یہ ان کے بھائی ہیں، جن کی خیر خواہی ان کا فرض ہے فرمایا:

''اور اگر تم ان کو اپنے میں ملا لو تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔'' (بقرہ:۲۲۰)

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حق میں دعائے خیر کریں، وہ یوں کہتے ہیں:

''اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے معاف کر۔'' (حشر:۱۰)

ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے کینہ ہونا ایسی برائی ہے، جس کے دور کرنے کے لئے خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے، اور کہنا چاہئے:

''اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رہنے دے، اے ہمارے پروردگار تو مہربان رحم والا ہے۔'' (حشر:۱۰)

مسلمانوں کی یہ صفت ہے کہ باہم وہ ایک دوسرے سے رحم و شفقت کے ساتھ پیش آتے ہیں، خدا نے مدح فرمائی:

مسلمان کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان سے جھک کر ملے، اور نرمی کا برتاؤ کرے۔

''مسلمانوں سے جھکنے اور نرمی کرنے والے۔'' (مائدہ:۵۴)

مسلمانوں کی اس باہمی اخوت محبت اور مہربانی کی مزید تشریح اور تاکید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یوں فرمائی ہے، مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے، اور شفقت کرنے میں جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بیخوابی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ''سارے مسلمان ملکر ایک آدمی کے مثل ہیں کہ اگر اس کی آنکھ بھی دکھے تو سارا بدن دکھ محسوس کرتا ہے اور اگر سر میں درد ہو تو پورا جسم تکلیف میں ہوتا ہے مقصود یہ ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم ہے اور اس کے سارے افراد اس کے اعضاء ہیں، بدن کے ایک عضو میں بھی اگر کوئی تکلیف یا دکھ درد ہو تو سارے اعضاء اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں اور اس دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں، یہی مسلمانوں کا حال ہونا چاہئے، کہ ان میں سے ایک کو بھی تکلیف پہونچے تو سارے مسلمانوں کو وہ تکلیف محسوس ہونی چاہئے۔

ایک دوسری تمثیل میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان باہم ایک

دوسرے سے مل کر اس طرح مضبوط ہوتے ہیں، جیسے دیوار، کہ اس کے ایک حصہ سے اس کا دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے بخاری میں ہے کہ یہ کہہ کر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا، کہ کیسے ایک حصہ سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے، اس تمثیل میں آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر مضبوط ہو کر نا قابل تسخیر حصن و حصار بن جاتی ہے، اسی طرح جماعت اسلامیہ ایک قلعہ ہے جس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک مسلمان ہے، یہ قلعہ اسی وقت تک محفوظ ہے، جب تک اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے ملی ہوئی ہے، جب یہ اینٹ اپنی جگہ سے کھسک جائے گی تو پوری دیوار دھم سے زمین پر آ جائے گی۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے مدد چھوڑے، اور نہ اس کی تحقیر کرے، انسان کے لئے یہ برائی کیا کم ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، مسلمان کا ہر حصہ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال، اس کی آبرو، یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، تو وہ نہ اس پر ظلم کرے، اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالہ کرے، جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا، تو خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا، اور جو کوئی کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا تو خدا اس کے بدلہ قیامت میں اس کی تنگی کو دور فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا'' جو کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کریگا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا، اور جو کسی تنگدست پر آسانی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی کرے گا اور جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسکا پردہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ فرمایا'' مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں یہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے، دوسری میں ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ سب سے اچھا مسلمان کون ہے، فرمایا: جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں یعنی جو مسلمان اپنے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچاتا وہی سب سے بہتر مسلمان ہے۔

جریر بن عبداللہؓ بجلی جو ایک مشہور صحابی تھے، کہتے ہیں کہ'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں پر بیعت کی، نماز کو قائم رکھنا، زکوۃ دینا، اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا، کئی روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا'' مسلمان کو گالی دینا خدا کی نافرمانی (فسوق) ہے، اور اس سے لڑنا (قتال) خدا کا انکار (کفر) ہے''۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں باہم برادری اور صلح و آشتی کا حکم دیا ہے، اب جو اس کے خلاف کرتا ہے وہ خدا کے حکم کو نہیں مانتا، اور یہ ایک معنی میں خدا کا انکار ہی ہے چنانچہ اسی لئے قرآن پاک میں مسلمان کے ناحق اور بالا رادہ قتل کرنے کی سزا وہی رکھی ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ فرمایا'' کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو قتل کرے، الّا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔''

'' اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا، تو اس کا بدلہ دوزخ ہے، وہ اس میں پڑا رہے گا، اور خدا اس پر خفا ہوا اور لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا۔'' (نساء:۹۳)

حجۃ الوداع کے نہایت اہم خطبہ میں آپ نے پہلے لوگوں کو چپ کرایا، پھر فرمایا:'' دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو'' ایک اور موقع پر فرمایا کہ'' جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم مسلمان میں سے نہیں۔''

جان تو بڑی چیز ہے کسی مسلمان کی آبرو کے پیچھے پڑنا بھی بڑا گناہ ہے، فرمایا'' سب سے بڑا ربا کسی مسلمان کی آبرو کی طرف بے سبب ہاتھ بڑھانا ہے۔'' اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مخمصہ میں گرفتار ہو جس میں اس کی آبرو جانے کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے بچانے کی کوشش کرے، ارشاد ہوا جو کوئی کسی مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا، جس میں اس کی عزت پر حرف آتا ہو، اور اس کی آبرو جاتی ہو تو خدا بھی اسکو ایسی جگہ بے مدد چھوڑ دیگا، اور جو کوئی کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا تو خدا بھی اس کی ایسے موقع پر مدد فرمائے گا۔

اگر دو مسلمانوں میں کسی ناراضی کے سبب سے بول چال بند

ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز سے زیادہ ایسا کرنے سے منع فرمایا ارشاد ہوا کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے، ملاقات ہو تو وہ اِدھر منہ پھیر لے اور یہ اُدھر منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے کہ جو پہلے سلام کی ابتدا کرے ایک اور طریقہ سے یہ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو، اے خدا کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ، اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بولنا چالنا چھوڑ دے۔

ایک مسلمان کے لئے اس کی عزت وآبرو سے بڑھ کر معاملہ اس کے ایمان کا ہے قرآن نے کہا کہ جب تم کو کوئی اپنے اظہار اسلام کے لئے سلام کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں:

''لاؤ اس کو جو تمہاری طرف سلامتی کا کلمہ ڈالے، یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔'' (النساء:۹۴)

مقصد یہ کہ جو کوئی اپنے کو مسلمان کہے یا وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے کہ تم مسلمان نہیں، ایک لڑائی میں ایک صحابی نے ایک کافر کو زد میں پا کر حملہ کیا اس نے فوراً کلمہ پڑھ دیا، مگر اس پر بھی ان صحابی نے اس کو قتل ہی کر دیا، یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، آپ نے ان کو بلا کر دریافت کیا، انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ اس نے صرف ڈر سے کلمہ پڑھا تھا آپ نے کس بلیغ انداز میں فرمایا، تم اس کے لا الہ الا اللّٰہ کے ساتھ کیا کرو گے، ایک روایت میں ہے کہ فرمایا، کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھ لیا تھا۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا ''مومن کی لعنت کرنا یا اس پر کفر کی تہمت رکھنا اس کے قتل کے برابر ہے'' یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اپنے بھائی کو اے کافر کہے تو وہ کفر دو میں سے ایک پر لوٹے گا، یعنی اگر وہ درحقیقت کافر نہ تھا تو اس نے ایک مسلمان کو کافر کہا، اور یہ خود ایک درجہ کا کفر ہے۔

جان، ایمان اور آبرو کے بعد مال کا درجہ ہے ارشاد ہوا کہ، جو کوئی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے گا تو خدا اس کے لئے دوزخ واجب، اور جنت حرام کریگا، ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر کوئی معمولی سی چیز ہو تب بھی، فرمایا درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

فرمایا ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا اسکے چھینکنے پر خدا تم پر رحمت کرے کہنا اسکی دعوت قبول کرنا، بیمار ہو تو عیادت کرنا، اور مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ چلنا، یعنی یہ کم سے کم حقوق ہیں، جن سے دو مسلمانوں کے درمیان خوش خلقی اور حسن تعلق کا اندازہ ہوتا ہے ارشاد ہوا کہ جب کوئی مسلمان اپنے بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو وہ جب تک واپس نہ ہو جنت کی روش پر ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ، جو کوئی ایمان واخلاص کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلتا ہے، یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھتا ہے، اور اس کے دفن سے فراغت پاتا ہے، تو اس کو ثواب کی دو رتی (قیراط) ملتی ہے جن میں سے ہر رتی احد کے پہاڑ برابر ہوگی یعنی یہ رتی دنیاوی پیمانہ کے حساب سے نہ ہوگی، بلکہ یہ اس پیمانہ سے ہوگی جس کا ایک ذرہ اپنی بڑائی میں پہاڑ کا حکم رکھتا ہے۔

یہ تمام حقوق جن کے جزئیات کا احاطہ نہیں ہوسکتا اس برادرانہ الفت ومحبت کے فروغ ہیں جن کے بغیر کسی مومن کا ایمان کامل نہیں ہوتا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا، کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہ ہوگا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے، الغرض ملت اسلامیہ کی جماعت کا ہر رکن دوسرے کے ساتھ ایسی محبت کرے جیسی وہ خود اپنے ساتھ کرتا ہے، اس کا نفع اپنا نفع اور اس کا نقصان اپنا نقصان سمجھے، ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس کے نقصان کو دور کرتا ہے، اور اس کے پیچھے میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت اسلامیہ کی عمارت کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم فرمائی تھی، اگر آج بھی ان ہدایتوں پر عمل کیا جائے تو اس عمارت کی دیواریں ایسی شکستہ نہ رہیں، جیسی آج ہیں ہر جماعت انہی اصولوں پر دنیا میں بنی ہے، اور آئندہ بھی بنے گی۔

۞۞۞

دین، اسلام اور شریعت

ڈاکٹر محمد متین الدین قادری (صدر شعبۂ عربی سلطان العلوم کالج)

دین اسلام اور شریعت یہ تین الفاظ اکثر و بیشتر ہم سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں۔لیکن انکے معنی اور مفاہیم پر ہم غور نہیں کرتے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ ایک دوسرے کے مترادف (Synonym) ہیں۔حقیقت ایسی نہیں ہے یہ تینوں الفاظ قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عربی زبان کی لغت میں علیحدہ معنی اور مفاہیم کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں البتہ بعض مقامات پر ان الفاظ کو مترادف کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی خلقت کے بعد انکو ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ انکی طبیعت اور فطرت کے مطابق ہدایت کے ساماں فراہم کیا۔جو ان کے لئے جبلی ہدایت کہلاتی ہے۔

انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب، خلیفہ ہے اس لئے دوسری مخلوقات سے علیحدہ ہدایت بھی اسکو دی گئی جو طبعی ہدایت کے علاوہ مزید ہے۔اس لئے پہلے ہی بشر یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ نے آنے والی نسل کے لئے نبی و ہادی بنایا حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی ہیں اور پہلے نبی بھی، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنے احکامات بندوں تک بھیجتا رہا ہے اور جو احکامات ضبط تحریر میں آئے ان میں سے اکثر اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں اور قرآن مجید کو چھوڑ کر جو بھی ہیں وہ اپنی اصلی حالت میں نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ جو ہدایت بھیجی اسکو قرآن مجید میں لفظ دین یعنی (way of life) کہا گیا۔جسے کہا گیا الـدیـن کـلّـہ للّٰہ دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہوجائے۔یہاں دین سے مراد مذہب بھی ہے اور انسان کا طریقہ زندگی یا یوں کہیں کہ زندگی کا ہر عمل اور ہر کام اللہ تعالیٰ کے دین کے تابع ہوجائے اور زندگی انبیاء کرام کے لائے ہوئے دین کے مطابق ہوجائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا ہے اسے غالب کرنا **ھو الـذی ارسـل رسـولـہ بالھدی و دین الحق لیظھر علی الدین کلہ و کفی باللہ شھیدا** (سورۃ الفتح آیت ۲۸) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے ساری دنیا پر غالب کرے اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔اس آیت میں دین مذہب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ **واقـتـلـو ھـم حتی لا تـکـون فتنۃ و یـکـون الـدیـن للہ** اور ان کو مارو بیشک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔اس آیت میں دین کو فتنہ کی ضد کے طور پر استعمال کیا گیا اور فتنہ کے معنی باطل عقائد شرک و کفر کے لئے گئے ہیں او ر دین کو صحیح عقیدہ اور توحید کے مفہوم میں لایا گیا ہے۔

ان الـدین عنداللہ الاسلام (آل عمران:۱۹) اللہ کے نزدیک (مقبول) مذہب تو بس اسلام ہی ہے۔اس آیت میں بھی دین مذہب کے معنی میں استعمال ہوا۔**مـالـک یـوم الدین** (فاتحہ:۳) بدلہ کے دن کا مالک (جزا و سزا کے دن کا مالک) سورۃ فاتحہ کی اس آیت میں دین بدلہ یعنی جزا و سزا کے معنی میں استعمال ہوا **افغیر دین اللہ یبغون** (آل عمران ۸۳/۳) تو کیا اللہ کے دین کے اور دین چاہتے ہیں۔یہاں دین بہ معنی شریعت (قانون الٰہی واحکام الٰہی) استعمال ہوا ہے۔

افغیر دین اللّٰہِ یَبْغُوْنَ (آل عمران:۸۳) تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں۔یہاں دین بہ معنی شریعت، قانون الٰہی واحکام استعمال ہوا ہے **مـا کان لیا خُذَ اَخاہُ فِی دینِ المَلِک اِلَّآ اَنْ یَشَاءَ اللّٰہُ**۔بادشاہی قانون میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا چاہے۔اس آیت میں لفظ دین ملکی قانون یا بادشاہی قانون کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

قرآن مجید میں لفظ دین جن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اسکے علاوہ لفظ دین ایک خاص اصطلاح ہے جس سے مراد صحیح عقائد، احکام وقوانین

ہیں۔ جو انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں اور بنیادی عقائد تمام انبیاء کرامؑ کے ایک ہی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی کو دین کہا جاتا ہے جو آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے پیغمبر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہا۔ وہ ہے دین، یعنی اللہ کا دین اسی لئے اس دین کی نسبت کسی نبی کی طرف کرنا جائز نہیں۔ اس طرح دین موسیٰ یا دین عیسیٰ کہنا غلط ہے۔ اسی اصول کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بانی اسلام کہنا بھی درست نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام نہیں ہیں بلکہ پیغمبر اسلام ہیں۔ اور اسی دین کا نام اسلام ہے۔ لفظ اسلام کا مادہ س۔ل۔م ہے۔ اسکے مادہ میں ہی سلامتی ہے (Peace) ہے یہ لفظ باب افعال کا مصدر یعنی جو خود بھی سلامتی والا ہو اور اس پر عمل کرنے والوں کو بھی سلامتی عطاء کرے۔ مرادی مانے سلامتی دینے والا ہے۔ **اسلم یسلم اسلاما** ل صلہ کیساتھ آئے تو اپنے آپ کو حوالے کر دینے کے اور باب تفعیل سے آئے تو **سلم ' یسلم' تسلیما** اگر علیٰ کے ساتھ آئے تو سلام کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور اگر بغیر علیٰ کے آئے تو سپرد کرنا۔ اپنے آپکو حوالے کردینا۔ سر تسلیم خم کردینا۔ یہ تو لفظ اسلام کے بارے میں بات ہوئی۔

یہ دین اللہ کا دین ہے تو ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے ہی اس دین اسلام کو بندوں کی رہنمائی کے لئے اپنے پیغمبروں کے اور انسان امن وسکون میں اس وقت رہ سکتا ہے جبکہ وہ اس دین بین کو اپنالے اور اس پر عمل پیرا ہو جائے۔

لفظ دین اور لفظ اسلام کو سمجھنے کے بعد اب ہم لفظ شریعت پر غور کرتے ہیں۔ **شریعة الاسلامیہ** (Islamic Law) یعنی قانون اسلامی، لفظ شریعہ کے معنی قانون کے ہوتے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون بنانے کا حق کس کو ہے اور کون قانون بنائے گا، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مشینری بنتی ہے تو اسکو بنانے والی کمپنی اسکو چلانے کے طور طریقہ بتلاتی ہے۔ اور گائیڈ لین دیتی ہے کہ اس کو کیسے استعمال کیا جائے۔ انسان کا جسم اور اسکی کارکردگی پر غور کریں تو ایک مشین کی طرح کام کرتا ہے جو کسی اور کا بنایا ہوا نہیں بلکہ یہ قدرت کا ایک عظیم شاہ کار ہے۔ تو ظاہر سی بات ہے اسکے لئے اسکے دائرے کار کا تعین کرنا، اس انسان کو زندگی گزارنے اور زندگی کے ہر مرحلہ پر ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کرنا اور اس کے لئے کوئی قانون بنانا کسی اور کا کام نہیں ہو سکتا کیوں وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اسکا خلیفہ ہے کائنات میں اس کے لئے قانون بنانا اور اس قانون پر عمل کرنے کا حکم دینے کا اختیار صرف خالق حقیقی کو ہی حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ **ان الحکم الا للہ** (سورۃ الانعام آیت ۵۷) حکم صرف اللہ کا ہی ہے یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حکم نہیں دے سکتا پھر ارشاد ہوا **الا لہ الخلق والا مر** (سورۃ الاعراف آیت ۵۴) سن لو اسی کو پیدا کرنے اور حکم دینے کا حق ہے یہاں قانون سے مراد اوامر و نواہی ہیں۔

جو قانون بناتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ آنے والے کل کا بھی علم رکھے یہ انسان کے بس میں نہیں کہ آنے والا کل کیا ہوگا اور کیا ہو سکتا ہے اسکا علم حاصل کرے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ یا طبقہ قانون وضع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا انسان اپنے جیسے انسانوں کو کس وقت کیا ضرورت پیش آسکتی ہے اس سے واقف ہی نہیں بلکہ وہ خود اپنے نفع ونقصان پر بھی قادر نہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کسی کام کو مفید وفائدہ مند سمجھ کر کرتا ہے لیکن وہ بعد میں اسکے حق میں مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے قانون میں انسانوں کیلئے امن وسکون اور دنیا و آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین جو حالات زمانہ کی مناسبت سے اور تمدنی تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تبدیلی ہوتے رہے ہیں۔ یہ شریعت کہلاتے ہیں جو مختلف انبیاء کی تعلیمات میں مختلف رہے ہیں۔ یہ شریعت متعلقہ نبی کی شریعت کہلاتی ہے اور اس کی نسبت نبی کی طرف ہی کی جاتی ہے مثلاً شریعت موسوی، شریعت عیسوی، شریعت محمدی وغیرہ۔ رسولوں کی شریعتیں حالات اور ضروریات کے مطابق تبدیل ہوتی رہی ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کی شریعت میں حقیقی بھائی اور بہن کا نکاح آپس میں جائز تھا لیکن بعد کی شریعتوں میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور اسے حرام قرار دیا گیا۔ اسی شریعت موسوی کے بہت سارے احکام شریعت عیسوی میں منسوخ کردیئے گئے اور اسی طرح شریعت عیسوی کے بعض احکام حالات کے مطابق شریعت محمدی میں تبدیل کردیئے گئے۔ **اکل جلعلنا منکم شرعة ومنھا جا** (سورۃ المائدہ)

(بقیہ صفحہ: ۴۰ پر)

ریاست تامل ناڈو اور اصلاح معاشرہ خواتین پروگرام

اے۔امیر النساء (رکن بورڈ)

شہر چنئی ایک تعارف:

شہر چنئی ریاست تامل ناڈو کا ایک گلدستہ ہے۔ بہت ہی خوبصورت مختلف پھولوں، مختلف رنگوں اور خوشبوؤں کا انوکھا سنگم، چنئی سے کنیا کماری تک پھیلے ہوئے اس خطہ میں متعدد شہر آباد ہیں۔ ہر شہر کی ایک الگ پہچان ہے مگر شہر چنئی کی بات ہی کچھ الگ ہے۔ یہ بیک وقت صنعتی شہر بھی ہے، تجارتی مرکز بھی ہے اور اس کے اطراف واکناف میں دیہی آبادی بھی بستی ہے۔ اسے اناج کا گودام بھی کہا جاتا ہے اور یہاں چمڑے کی مصنوعات بنانے والے کارخانوں کی بہتات بھی ہے اور سوتی کپڑوں کے مراکز بھی، اعلیٰ تعلیمی ادارے اور ٹیکنیکل تعلیمی ادارے اس ریاست کی پہچان ہیں۔ شاید ہندوستان کی کوئی اور ریاست اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ساحل سے قریب تر ہونے کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے، یہاں سے قریب ترین پہاڑی مقامات اوٹی، کوڈے کنال، ایلگری ہلز اور ایرکاڈ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں امریکہ کے شہر ڈیٹرائیٹ کی طرح موٹر کار بنانے والے کارخانے قائم ہیں۔ غیر ملکی کمپنیاں اس شہر کو صنعت کاری کے لئے مناسب سمجھتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی مقبولیت کی قیمت یہاں کے عوام کو چکانی پڑ رہی ہے۔ ان کارخانوں میں بجلی کی کھپت گنجائش سے کہیں زیادہ ہونے کی وجہ سے شہر تو محفوظ ہے البتہ ضلع ویلور بجلی کی قلت سے بری طرح متاثر ہے۔ اس ضلع کے اندر کئی بڑے چھوٹے شہر آباد ہیں جیسے آمبور، وانمباڑی، گڑیاتم، ویلور اور میل وشارم وغیرہ۔ یہ سارے شہر چنئی سے سوڈیڑھ سو کلومیٹر کی مسافت پر ہیں۔ مگر شہر چنئی کی تہذیب ویلور ڈسٹرکٹ سے الگ ہے۔

مسلکی اختلافات اور نئے فتنے آپسی اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ ان فتنوں کے پنپنے کی کئی وجوہات ہیں اس کی سب سے اہم وجہ یہاں کا دولسانی مسئلہ ہے۔ تمل مسلم آبادی اور اردو مسلم آبادی زبان کی بنیاد پر آپس میں متحد نہیں ہو پاتیں، اجتماعی پروگرامز اس دولسانی مسئلے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تمل زبان کے اجتماعات میں اردو بولنے والے عوام شرکت نہیں کرتے اور اردو زبان کے اجتماعات میں تمل اسپیکنگ عوام شریک نہیں ہوتے۔ دونوں کو یکساں طور پر جاننے والوں کی تعداد انتہائی کم ہونے کی وجہ سے عوام کی کثیر تعداد مذہبی اجتماعات میں شرکت سے محروم رہ جاتی ہے۔ یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے جو یہاں کے شہریوں کو آپس میں متحد ہونے نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ یہاں کے عوام عدم توازن کا شکار ہیں۔ کچھ لوگوں کی مذہبی شدت پسندی اور کچھ لوگوں کی مذہب سے دوری بھی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے کیونکہ اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ کسی بھی معاملے میں شدت پسندی یالا ابالی پن اختلافات کو ہوا دیتا ہے۔

اس کے علاوہ یہاں کی اکثر خواتین بے پردگی کا شکار ہیں۔ یہ چلن غیروں سے مستعار ہے۔ حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ ''جو غیروں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں''۔ ترقی پسندی اور فیشن پرستی کی آڑ میں اسلامی تعلیمات مسترد کی جا چکی ہیں اور یہاں شادی بیاہ کی تقریبات بھی اکثر مخلوط ہوتی ہیں اور خواتین اپنے لباس وانداز کی خوب نمائش کرتی ہیں اور یہ تقریبات یہاں سوشیل اسٹیٹس کا درجہ اختیار کر چکی ہیں اور پوری فیاضی کے ساتھ عمارت کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ یہاں لوگ صرف دعوت ناموں پر لاکھوں کی رقم خرچ کر دیتے ہیں، تقاریب میں ورائٹی کے نام پر اتنے کھانے بنتے ہیں کہ لوگ کھاتے کم ہیں اور ضائع زیادہ کرتے ہیں۔ بوفے سسٹم میں تو لوگ اپنے شکم کی گنجائش سے زیادہ پلیٹوں کو بھر لیتے ہیں نتیجے میں بہت سارا

کھانا ضائع ہوجاتا ہے۔ایک منٹ کے لئے بھی اگر ہم سوچنے کی زحمت گوارا کریں تو ہمارے ملک میں خط افلاس سے نیچے جینے والی آبادی ایک وقت کے کھانے کے لئے کتنی جدوجہد کرتی ہے۔اس کے باوجود انہیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا تو ہم اصراف سے بچنے کی کوشش کرتے مگر بات اسٹیٹس کی ہو تو صحتمند جراثیم مرجاتے ہیں اس کی جگہ مضر صحت جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں، دولت مند طبقہ کم از کم انسانی ہمدردی کے ناطے اور رزق کو پامال ہونے سے بچانے کے لئے کسی ایسے ادارے سے رابطہ قائم کرلے جہاں ضائع ہونے والے کھانوں کے پیکیٹ بنا کر مستحقین تک پہنچانے کی سعی کی جاتی ہو ایک اور اصلاح طلب بات یہ ہے کہ یہاں اردو جاننے والا طبقہ بھی انگریزی زبان کو قابل فخر مانتا ہے اور اردو زبان کو دقیانوسی زبان سمجھتا ہے نتیجے میں نئی نسل اردو سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ہائی سوسائٹی میں اردو زبان شجر ممنوعہ بن چکی ہے، اپنی مادری زبان میں بولنا لوگ کسر شان سمجھنے لگے ہیں مگر اردو سے محبت کرنے والے چند لوگ اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لئے پوری جدوجہد کررہے ہیں مگر یہ کوشش اس وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب لوگوں کا تعاون حاصل ہو۔یہ تعاون اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب چنئی کے شہری اپنے بچوں کو لازمی طور پر اردو پڑھانے کا عہد کرلیں ورنہ یہ زبان اپنوں کے درمیان ہی اجنبی بن کر رہ جائیگی ترکی زبان کی طرح۔زبان اور تہذیب ہی انسان کی پہچان ہے اگر ہم مادری زبان پر غیر ملکی زبان کو ترجیح دنے لگیں تو ایک زندہ قوم کی حیثیت سے ہماری پہچان ختم ہوجائیگی۔مقام افسوس کہ نئی نسل ادبی محفلوں میں رومن رسم الخط میں لکھی اردو کا سہارا لینے پر مجبور ہے۔تمام ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ بچے کی ابتدائی تعلیم صرف اس کی مادری زبان میں ہی ہو مگر ہمارا المیہ ہے کہ ہم فطری طریقہ پر غیر فطری طریقے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ہماری تعلیمی پسماندگی کا یہی راز ہے۔ہم اپنی اعلیٰ اقدار اور تہذیبی ورثہ کو دوسروں کی کھوکھلی تہذیب پر قربان نہ کریں۔ایک صالح معاشرہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب ہر فرد اپنی اپنی ذمہ داری محسوس کرے۔اجتماعی برائیاں دور کرنے کے لئے انفرادی طور پر ہر فرد اپنا محاسبہ خود کرے اور آپسی اختلافات مٹا کر ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھے۔

ان سب کے باوجود یہ اعتراف بجا ہے کہ چنئی کے عوام امن پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بے ضرر لوگ ہیں۔آپسی اختلافات کے باوجود انتہا پسندی یا دہشت گردی ان کے مزاج کا حصہ نہیں۔ایک دوسرے کا احترام امن پسندی ان کی اولین ترجیحات ہیں۔ریاست تمل ناڈو کا پرامن شہر چنئی اور اس سے جڑا ضلع امن وامان قائم رکھنے میں کامیاب ہیں۔چند برائیاں جو یہاں کے عوام میں درآئی ہیں وہ قابل اصلاح ہیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ کی خواتین کانفرنس معاشرے کی اصلاح کی طرف پہلا قدم ہے کیونکہ ہماری تعلیمات میں برائی کو روکنے اور بھلائی کا حکم دینے کی تاکید کی گئی ہے!

شہر چنئی میں اصلاح معاشرہ کانفرنس برائے خواتین

تمام تعریفیں اللہ پاک کے لئے جو بڑا مہربان رحم والا ہے اور درود وسلام ہو آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر!

الحمد للہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی کی خواتین ونگ کی جانب سے حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر بہار کی کنو یز شپ میں پورے ملک کے اندر تحریک چلائی جارہی ہے تاکہ مسلم معاشرہ متحدہ طور پر معاشرتی برائیوں کے خلاف بیدار ہو اور اصلاح معاشرہ کی عظیم ذمہ داری کی طرف توجہ مبذول ہو، کیونکہ امت مسلمہ کو برائی سے روکنے اور بھلائی کا حکم دینے کی تاکید کی گئی ہے۔نبی کریم ﷺ کے مطابق آج ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جہاں کانٹے دار جھاڑیاں قدم قدم پر ہمارا راستہ روک رہی ہیں۔ان خاردار جھاڑیوں سے اپنے دامن کو سنبھالنا محال ہوگیا ہے۔اس صورت حال سے نپٹنے یا برائی کو روکنے کی طرف خواتین نے اپنے قدم بڑھائے ہیں۔اسی سلسلے میں بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی خواتین ونگ اب تک کئی پروگرام منعقد کئے۔اب ملک گیر سطح پر پوری ریاست تاملناڈو کے مختلف شہروں میں پانچ روزہ خواتین کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

اس کانفرنس کی کنو یز محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ رکن عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، معاون کنو یز محترمہ امۃ الوحید فاخرہ عتیق صاحب رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ناظمہ جماعت اسلامی ہند شعبۂ خواتین وانم باڑی

رہیں! محترمہ نکہت سہیل (کوآرڈینیٹر) نائب سکریٹری اے پی آئی اکاڈمی برائے خواتین اور بحیثیت نائب معاونین محترمہ عرشیہ عرفان اے پی آئی اکاڈمی برائے خواتین اورڈاکٹر عائشہ حامد ہدایت ویلفیئر ٹرسٹ، چنئی رہیں۔

شہر چنئی میں ان درس گاہوں کی فہرست جن کے طلباء سے خطاب کیا گیا:

- ☆ لیس آئی ای ٹی کالج برائے خواتین
- ☆ یونٹی پبلک اسکول
- ☆ کریسنٹ میٹریکولیشن
- ☆ فاطمہ میٹریکولیشن
- ☆ پاریا میٹریکولیشن
- ☆ یم ڈبلیو اے میٹریکولیشن
- ☆ میاسی میٹریکولیشن
- ☆ عالم محمد صالح انجینئر نگ کالج
- ☆ کریسنٹ انجینئر نگ کالج
- ☆ محمد صدق آرٹس اینڈ سائنس کالج

شہر چنئی کے آرگنائز:

- ☆ اے پی آئی اکاڈمی ڈائریکٹر ویلفیئر ٹرسٹ
- ☆ شہر وانم باڑی جماعت اسلامی ہند

رضا کارانہ خدمات انجام دینے والی تنظیمیں:

- ☆ گرلس اسلامک تنظیم (GIO)
- ☆ سنٹرس آف اسلامک سوسائٹی (SIS)
- ☆ لیس آئی ای ٹی کالج مسلم یوتھ کونسل (MYC)
- ☆ سکینہ سنٹرس آف کریسنٹ انجینئر نگ کالج
- ☆ ٹیچرس ٹرینگ ان اسلامک اسٹیڈیز (TTIS)
- ☆ سنٹرز آف جماعت اہل قرآن والحدیث (JAQM)
- ☆ شعبۂ خواتین جماعت اسلامی ہند (JIH)

مذکورہ تنظیموں کی جانب سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی کا پیغام وانم باڑی، گڑیاتم اور چنئی کے تقریباً 30,000 لوگوں تک پہنچایا گیا۔

۸؍جنوری ۲۰۱۲ء تامل ناڈو کے شہر وانم باڑی میں اسلامیہ ہائی سکنڈری اسکول میں شاندار کامیابی کے ساتھ خواتین کانفرنس منعقد کی گئی۔ تقریباً دو ہزار خواتین نے شرکت کی۔ شرکاء نے انتہائی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اختتام تک انتہائی خاموشی کے ساتھ سبق آموز خطابات سے مستفیض ہوتے رہے، محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ نے اپنے کلیدی خطبہ میں اصلاح معاشرہ کے تعلق سے انتہائی اہم نکات کی طرف توجہ دلائی۔ امۃ الوحید فاخرہ صاحبہ نے اپنے مخصوص انداز میں خواتین کی طرف سے ہونے والی کوتاہیوں اور مردوں کے مظالم اور مظلوم خواتین کے دلسوز واقعات پر اہم گفتگو کی۔ خواتین کو اسلام کی روشنی میں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور مردوں کے معاشرے میں عورتوں کے مساوی حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ امۃ الرزاقہ نائب ناظمہ خواتین ونگ تامل ناڈو جماعت اسلامی ہند نے عورتوں کی خانگی ذمہ داریوں پر بات کی۔ محترمہ روحی خاص صاحبہ حیدرآباد نے تربیت اطفال اور عورت کی ذمہ داری کے تعلق سے عورتوں کو جھنجھوڑا! شہر وانم بازی میں اس کامیاب کانفرنس کا سہرا محترمہ امۃ الوحید فاخرہ صاحبہ کے سر بندھتا ہے۔ اللہ کے فضل وکرم اور محترمہ کی ان تھک محنت نے وانم باڑی اور اس کے آس پاس کے شہروں کی خواتین میں اسلامی بیداری اور اصلاح معاشرہ کے تعلق سے ایک ہلچل مچادی۔ اللہ پاک قبول فرمائے آمین!

شہر گڑیاتم میں ۹؍جنوری ۲۰۱۲ء مدرسہ نسواں۔ شعلہ بیان مقرر جناب ایوب رحمانی صاحب مہتمم مدرسہ سعیدیہ گڑیاتم رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی زیر سرپرستی انتہائی کامیاب اجلاس منعقد ہوا۔ شہر گڑیاتم کی خواتین نے پرجوش استقبال کیا۔ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ، فاخرہ عتیق صاحبہ اور روحی خان صاحبہ نے بہترین انداز میں خواتین کی خانگی ذمہ داریوں کو دائرہ اسلام کے حدود کے اندر احسن طریقہ سے انجام دینے اور اسلامی طرز زندگی اپنا کر دنیا وآخرت میں فلاح پانے کی ترغیب دلائی۔ جناب ایوب رحمانی صاحب زید مجدکم نے ہدیہ تشکر پیش کیا اور روحی خان کی پراثر دعا کے ساتھ محفل اختتام کو پہنچی۔

(بقیہ صفحہ:۱۸؍پر)

ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک منزل کی طرف رواں دواں

مولانا محمد نعیم رحمانی (رکن بورڈ، مونگیر)

آئین ہند کی رہنما اصول کی ہدایت کے مطابق پارلیمنٹ میں ''حق لازمی تعلیم ایکٹ'' لایا گیا، جو ملک میں نافذ العمل ہے، یہ ایکٹ بظاہر خوشنما اور مفید نظر آتا ہے، مگر اس میں کئی بڑی خامیاں ہیں، جہاں یہ ایکٹ ملک کی تعلیمی ترقی میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہوگا، اور مشرقی تہذیب کو ختم کر کے حیا سوز معاشرہ وجود میں لائے گا، وہیں مذہبی تعلیم کو ختم کر دے گا، اور مدارس و مکاتب، ویدک پاٹھشالہ وغیرہ کی حیثیت غیر قانونی ہو کر رہ جائے گی، اور تعلیم و تربیت کے یہ چشمے بند ہو جائیں گے —— مرکزی سرکار نے ٹیکس کا پرانا قانون ختم کر کے نیا قانون '' ڈائرکٹ ٹیکسیز کوڈ'' بنایا، (جو ابھی زیر غور ہے) یہ قانون بھی خامیوں سے پر ہے، اور اس میں ایسی قانونی شقیں موجود ہیں، جن کی رو سے مدارس، مساجد، مندر، گرودوارہ، آتشکدہ اور قبرستان وغیرہ مذہبی مقامات وعبادت گاہیں ٹیکس کے دائرے میں آجائیں گے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں جمہوریت مضبوط ہو اور مذہب کی جڑیں مستحکم ہوں، اور جہاں کے باشندے مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوں، ایسے قانون کی گنجائش نہیں ہوسکتی —— سولہ سال کے بعد ملک میں وقف ایکٹ بن رہا ہے، (جو ابھی پیدائش کے مرحلہ میں ہے) وقف کی جائیدادیں اب تک غیر محفوظ رہی ہیں، ان پر اکثر غاصبانہ قبضہ رہا ہے، اگر ان سے غاصبانہ قبضہ ہٹا لیا جائے اور مسلمانوں کی جائیدادیں مسلمانوں کو مل جائیں، تو مسلمانوں کی اقتصادی و تعلیمی پسماندگی دور کرنے میں کوئی دشواری نہیں آئے گی، مرکزی سرکار کے مجوزہ وقف ایکٹ میں وقف کی جائیدادوں کو تحفظ فراہم کرنے اور اس پر سے غاصبانہ قبضہ کو ہٹا کر کے اسے وقف کمیٹی کے حوالہ کرنے کے سلسلہ میں کوئی مضبوط شق موجود نہیں ہے، خود وقف کمیٹی کو مؤثر اور متحرک بنانے کے لیے وقف ایکٹ میں کوئی بات نہیں کی گئی ہے، اس لحاظ سے مجوزہ وقف ایکٹ بھی خامیوں سے پر ہے، اور ترمیم کا متقاضی ہے ---یوپی میں زرعی جائیداد میں عورتوں کو وراثت میں حقدار نہیں مانا گیا ہے، یوپی اسمبلی کا پاس کردہ یہ قانون بھی عورتوں کے مالکانہ حقوق اور اس کی آزادی کا مخالف ہے، اور شریعت اسلامیہ سے براہ راست متصادم، اس لیے اس میں تبدیلی بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مذکورہ تمام غلط قانون سازیوں کا علم جب ہمارے بزرگوں کو ہوا اور ہمارے بزرگوں خصوصاً مشہور عالم دین اور قانون داں مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے تجزیہ کر کے اس کے مستقبل میں ابھرنے والے خطرناک نتائج، ملک و ملت کے سامنے اپنی تحریروں کے ذریعہ رکھے، تو ملک میں بے چینی پھیل گئی، ملت اسلامیہ مضطرب ہوگئی، اور قانون سازی کے ذریعہ چور دروازے سے شریعت اسلامیہ اور شعائر اسلامیہ کو ختم کرنے کی سازش بے نقاب ہو کر رہ گئی۔ ملت کے ہوشمندوں اور دردمندوں نے اس کے سدباب کے لیے غور و فکر شروع کی، اور راہوں کی تلاش میں لگ گئے، ملت کی نگاہ امید ایک طرف پھر بورڈ کی طرف اٹھنے لگی، بورڈ کے ذمہ داروں نے اس حساس مسئلہ کو سنجیدگی سے لیا، عاملہ کا اجلاس طلب کیا اور ۲۶/نومبر ۲۰۱۱ء کے مجلس عاملہ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کی امید پر کھرا اترنے کی کوشش کی کہ مسلم پرسنل لا بورڈ اس سلسلہ میں ملک گیر تحریک چلائے گا، اور پہلے مرحلہ میں اس ملک کے رہنے والے تمام باشندوں خصوصاً مسلمانوں کو چاروں قوانین کی سنگینی سے واقف کرائے گا اور عوامی بیداری ذہن سازی کر کے لائے گا۔ اجلاس عاملہ بورڈ نے اس کے لیے آئینی حقوق بچاؤ تحریک کمیٹی تشکیل دی اور اس کا کنوینر بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی (جو بورڈ کی تحریک اصلاح معاشرہ کو کامیابی سے ہمکنار کر چکے ہیں) اور جوائنٹ کنوینر ڈاکٹر مولانا سعود عالم قاسمی کو بنایا، اور اس کے علاوہ ۱۵/ دیگر ارکان بورڈ کو بحیثیت ارکان کمیٹی شامل کیا، ان حضرات نے صوبائی ایکشن کمیٹیاں تشکیل دیں، اور صوبائی سطح پر کنوینر اور جوائنٹ کنوینر بنائے، اس طرح بورڈ نے گاؤں، شہر، صوبہ اور پورے ملک کو جوڑ کر منظم انداز میں اس تحریک کے اغراض و مقاصد سے لوگوں کو واقف کرانا شروع کیا، اور چاروں قوانین کی خطرناکیاں منظر عام پر

لانے کی جدوجہد شروع کی، اس جدوجہد سے بورڈ کے صدر حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا نظام الدین صاحب مدظلہ نے بھی دلچسپی لی اور مختلف اجلاس میں مختلف مقامات پر خطاب فرمایا، اور دونوں حضرات اپنی پیرانہ سالی وضعف کے باوجود تحریک کاروں کے حوصلے بڑھاتے رہے، کل ہند کنوینر آئینی حقوق بچاؤ تحریک حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے منظّم انداز پر مرکزی سرکار اور یوپی سرکار کی غلط قانون سازی کے خلاف پورے ملک میں تحریک چلائی، ہندوستان کے تمام بڑے شہروں سے لے کر قصبہ اور دیہات تک ہر جگہ اس کے خلاف احتجاجی اجلاس اور ریلیاں منعقد کر کے اس ملک کے باشندوں خصوصاً مسلمانوں کو بیدار کیا، اور نئی قانون سازی کی مضرتوں سے واقف کرایا، خطوط لکھ کر اس کے لیے انہوں نے علماء، دانشور، تنظیم وجماعت کے ذمہ داروں اور بااثر لوگوں کو متوجہ کیا، اور اخبارات ورسائل کے مدیروں سے مضامین لکھ کر عوام کو بیدار کرنے کی اپیل کی، چنانچہ اخبارات میں خبریں آنے لگیں، اداریہ اور نوٹس چھپنے لگے، ماہنامے، رسائل اور جریدوں میں اس کے متعلق مضامین اور رپورٹوں کی اشاعت ہونے لگی، اہل قلم نے دل کھول کر اس کے خلاف لکھا، خود کنوینر آئینی حقوق بچاؤ کمیٹی حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے پورے ملک کا دورہ کیا، علماء، دانشور، اہل مدارس، ائمہ مساجد، سماجی کارکن اور خدمتگار، ایم پی، ایم ایل اے، چیرمین، مکھیا، وارڈ کمشنر وغیرہ کو اس تحریک سے جوڑا، اور تحریک کو مربوط ومنظّم کیا، سیکڑوں اجلاس میں خود شرکت کی، اور تقریروں کے ذریعہ چاروں قوانین کے نقصانات سے عوام کو واقف کرایا، اس موضوع پر ملک ہندوستان کا کوئی ایسا شہر، قصبہ اور نگر باقی نہ رہا ہوگا جہاں احتجاجی اجلاس نہ ہوا ہو، اور وہاں سے صدائے احتجاج بلند نہ کی گئی ہو۔

بورڈ کی اس تحریک کو مسلمانوں کے تمام طبقوں، مسلکوں اور مشربوں کی حمایت ملی، اور اپنے اضطراب وتشویش کا اظہار مسلمانوں کے تمام مسلک ومشرب اور طبقہ وفرقہ کے سربراہوں نے کیا، اور اپنے بیانات شائع کر کے حکومت سے غلط قانون سازی سے باز آنے اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی ترمیم کے مطالبات کو تسلیم کرنے کی اپیل کی، جماعت اسلامی، اہل حدیث، بریلوی مسلک، شیعہ مسلک، جمعیۃ علماء ہند اور ملک کی تمام سرکردہ تنظیموں اور جماعتوں نے آئینی حقوق بچاؤ تحریک کی حمایت کی اور غلط قانون سازی کے خلاف آواز بلند کی۔

بورڈ کے ذریعہ لوگوں کو غلط قانون سازی کے مضر اثرات سے واقف کرانے کے لیے چاروں متعلقہ مسائل پر کتابچے اور پمفلٹ بھی مختلف زبانوں میں شائع کر کے پورے ہندوستان میں تقسیم کرائے گئے، تاکہ معمولی پڑھا لکھا ہندوستانی بھی قانون کی اس دہشت گردی کو سمجھ سکے اور دستور ہند نے جو انہیں تحفظ اور حقوق فراہم کیے ہیں، اس کے حصول کے لیے جمہوری طریقہ پر بورڈ کی جدوجہد میں شامل ہو اور اس کی تائید وحمایت میں آگے آئے اور اپنے حقوق کی بازیابی کو یقینی بنا سکے، اس سلسلہ میں حسب ذیل تحریریں شائع ہوئیں۔

تین اہم مضامین (رسالہ)

۱- بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق اور گائیڈ لائن کے بعد کی صورتحال   //   (اردو۔انگریزی۔مراٹھی)

۲- بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق R T E (فولڈر)

۳- وقف کے قانون کا اثر دار ہونا ضروری ہے (فولڈر)

۴- اوراب ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ (فولڈر)

از: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی

۶- ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ کے مضر اثرات (فولڈر)

از: محمد عبدالرحیم قریشی ایڈوکیٹ

۷- کھیتی کی جائیداد میں عورتوں کا حصہ .... (فولڈر)

از: مولانا عمرین محفوظ رحمانی

مسلم پرسنل لا بورڈ کی جدوجہد دسمبر ۲۰۱۱ء میں شروع کی گئی اور اس کا مقصد مسلمانوں میں بیداری لانا تھا، بورڈ نے زبردست عوامی بیداری لائی اور کانفرنسوں، جلسوں، مضامین، اخباری بیانات اور ایڈیٹوریلس کے ذریعہ لوگوں تک اپنا پیغام پہونچایا، قانونی پیچیدگیوں کو عوام سے سمجھنے کی اپیل کی اور اسکو عام کرنے اور گھر گھر پہونچانے کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دیا، ملک کے مسلمانوں نے بورڈ کی جدوجہد اور مساعی کے نتیجہ میں مسائل ومعاملات سے بے پناہ دلچسپی لی اور بورڈ کی آواز پر ہمہ وقت لبیک کہنے کے لیے تیار رہنے کا اپنی طرف سے یقین دلایا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے پہلے مرحلہ میں رائے عامہ ہموار کرنے کا جو فیصلہ کیا، اس کے مطابق دور دیہات تک اس نے اپنی آواز پہونچائی جس کا اثر مرکزی حکومت نے بھی محسوس کیا، مسلمانوں کے اتحاد، جوش، جذبہ، زبردست ناراضگی اور صدائے احتجاج نے حکومت کو اپنے موقف میں تبدیلی

پر مجبور کیا، اور حکومت کا موقف نرم پڑ گیا، صرف تین چار مہینے کی مسلسل، مربوط اور مستحکم جدوجہد کے ذریعہ بورڈ نے اپنی طاقت کا احساس تو کرایا ہی، مسلمانوں کا عظیم اتحاد بھی ملک کے سامنے آیا، اور ایک بار پھر بورڈ نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ آج بھی مسلمانوں کا واحد متفقہ و متحدہ ادارہ ہے، جو ملت اسلامیہ کا نہ صرف ترجمان بلکہ اس کے دلوں کی دھڑکن ہے۔

بورڈ کی تحریک کے چند مہینے بعد ہی حکومت کے نمائندوں اور مرکزی وزراء کے بیانات میں تبدیلی آگئی، اور اخبارات میں حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں بیانات شائع ہونے لگے۔

تحریک کے اعلان کے ایک مہینہ بعد جنوری ۲۰۱۲ء کے اخیر ہی میں کانگریس لیڈر دگ وجے سنگھ کا بیان اخبار میں شائع ہوا، ''حکومت نے حق تعلیم قانون کے تحت اقلیتی اداروں کو باہر رکھے جانے سے اتفاق کیا ہے، جب کہ ''ڈائرکٹ ٹیکسیز کوڈ'' بل سے تعلق رکھنے والے دیگر معاملات کے سلسلہ میں بات چیت جاری ہے، اور ابھی اس پر کوئی فیصلہ نہیں لیا گیا ہے''۔

(اخبار مشرق کولکاتہ ۲۵ر جنوری ۲۰۱۲ء)

پھر اس کے بعد فروری کے اوائل میں وزیر تعلیم کپل سبل کے حوالہ سے یہ خبر اخبار میں آگئی ''ڈائرکٹ ٹیکسیز کوڈ'' وقف املاک کے تحفظ اور ''حق تعلیم ایکٹ'' سمیت مسلم مسائل کے لیے ملک گیر تحریک چلائی جارہی ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو ابتدائی کامیابی اس میں مل گئی ہے، کیونکہ مرکزی حکومت نے بورڈ کے تمام مطالبات کو تسلیم کر لیا ہے، فروغ انسانی وسائل کے مرکزی وزیر کپل سبل نے دہلی کے ''انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر'' میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحفظ آئینی حقوق کانفرنس میں بورڈ کے مطالبات تسلیم کر لیے ہیں، مرکزی وزیر نے اپنے خطاب میں نہ صرف ''حق تعلیم ایکٹ'' میں کابینہ کی ترمیم کو آنے والے بجٹ اجلاس میں پیش کرنے کا وعدہ کیا، بلکہ ''ڈائرکٹ ٹیکسیز کوڈ'' بل کے بارے میں یہ قبول کیا کہ اس بل میں خامیاں ہیں، جس کو مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر دور کریں گے، (پندار پٹنہ ۷ر فروری ۲۰۱۲ء) یاد رہے کہ یہ وہی کپل سبل ہیں، جو آر ٹی ای میں خامیوں کے خلاف کچھ سننا ہی پسند نہیں کرتے تھے، اور حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی سے اس سلسلہ میں تیز و تلخ باتیں بھی ہو گئی تھیں۔

اس کے بعد ۲۶ر فروری ۲۰۱۲ء کو راشٹریہ سہارا دہلی میں کانگریس کمیٹی کے شعبہ اقلیت ۲۴ر اکبر روڈ نئی دہلی کی طرف سے مسلمانوں کے نام درج ذیل اپیل شائع ہوئی جس پر اپیل کنندگان میں منموہن سنگھ، راہل گاندھی اور سونیا گاندھی کا نام درج تھا۔

کانگریس نے کیا مدرسوں کا احترام۔ ''آر ٹی ای'' سے مدارس اور مسلم اداروں کو ملی چھوٹ۔ اب ملک کے مدرسوں و مسلم اداروں پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔

آیئے موجودہ انتخاب میں کانگریس کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں اپیل کنندگان

محترمہ سونیا گاندھی (صدر کانگریس پارٹی)

محترم ڈاکٹر منموہن سنگھ (وزیر اعظم ہند)

محترم راہل گاندھی (جنرل سکریٹری کانگریس پارٹی)

اس کے علاوہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے بھی پریس کانفرنس کے ذریعہ آر ٹی ای میں خامی تسلیم کی اور ترمیم کی یقین دہانی کرائی۔

بورڈ کی اس ملک گیر تحریک کے نتیجہ میں جہاں مرکزی حکومت نے اپنے موقف میں زبردست تبدیلی لائی اور ترمیم پر اپنی آمادگی ظاہر کی، وہیں مسلمانوں نے بورڈ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے زبردست اتحاد کا مظاہرہ کیا اور جمہوری طاقت کا شاندار استعمال کرتے ہوئے، یوپی انتخاب میں زرعی جائیداد کا قانون لانے والی مایاوتی سرکار کو دھول چٹادی، اور مرکزی سرکار کو شریعت اسلامیہ اور شعائر اسلامیہ کے خلاف قانون سازی کے جرم میں یوپی میں اس کی حیثیت دکھا کر مستقبل میں اپنے اوقات میں رہنے کے لیے خبردار کر دیا۔

بورڈ کی تحریک کے بعد یوپی کے انتخابی نتائج اور مرکزی سرکار کے موقف میں لگاتار تبدیلی اس بات کی غماز ہے، کہ بورڈ کی ملک گیر ''آئینی حقوق بچاؤ تحریک'' منزل کی طرف رواں دواں ہے، اور کامیابی کا پہلا زینہ دکھائی دینے لگا ہے، مگر جب تک پارلیمنٹ میں مذکورہ تمام قوانین میں بورڈ کے مطابق ترمیم نہیں ہو جاتی، اور اس پر ہمارے بزرگوں کو اطمینان نہیں ہو جاتا اور وہ اپنی تائید و حمایت کی مہر ثبت نہیں کر دیتے، اس وقت تک اطمینان سے بیٹھا نہیں جا سکتا اور کامیابی کو کامیابی نہیں سمجھا جا سکتا۔ تحریک کو جاری رکھنے کی اب بھی ضرورت ہے، ابھی کہہ لیجئے، سفر کا آغاز ہے، مرحلے بہت باقی ہیں، فریب اور دھوکہ کے اس دور میں شاطروں سے پالا ہو، تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کامیابی کے اس سفر میں اور کتنا وقت لگے گا۔

۞۞۞

کھیتی کی زمین میں عورتوں کا حصہ

عورتوں کا حق - مردوں کی جوابدہی - یوپی حکومت کی ذمہ داری

مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی (مالیگاؤں)

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان میں ایک بنیادی حق وراثت (ترکہ) میں حصہ پانا بھی ہے، اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں میراث صرف طاقتور مردوں کو ملتی تھی، کمزوروں اور عورتوں کو میراث سے محروم کردیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ناانصافی کا خاتمہ کیا اور وراثت میں عورتوں کا حصہ متعین کیا۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں تفصیل کے ساتھ وراثت کے قوانین کا ذکر موجود ہے، ان قوانین میں جہاں مردوں کو وراثت کا حقدار قرار دیا گیا ہے وہیں عورتوں کے حقوق اور ترکہ سے ملنے والے حصے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد ہے۔ ''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے سلسلے میں، لڑکوں کو (وراثت میں سے) دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دوتہائی اس مال میں سے ملے گا جو کہ مورث چھوڑ کر گیا ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو آدھا ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکے میں سے چھٹا، چھٹا حصہ اس صورت میں جب کہ میت کی کوئی اولاد ہو اور اگر اس میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا، اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ واضح رہے کہ وراثت کی یہ تقسیم میت کی وصیت کو پورا کرنے اور میت کے اوپر قرض کو ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ (سورہ نساء آیت نمبر ۱۱)

اس سے اگلی آیت میں بھی بیوی اور بہن کے بارے میں چند قوانین اور مالی حقوق مذکور ہیں۔ اسی طرح سورہ نساء کی آیت ۱۷۶ میں بھی مردوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی حق بیان کیا گیا ہے اس سلسلے کی سب سے زیادہ واضح آیت سورہ نساء کی آیت نمبر ۷ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں و باپ اور بہت نزدیک کے رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں و باپ اور بہت نزدیک کے رشتہ دار چھوڑیں چاہے وہ چیز کم ہو یا زیادہ اور یہ لازمی حصہ ہے۔'' (سورہ نساء آیت نمبر ۷) یہ آیت ایک خاص واقعے کے سلسلے میں نازل ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اوس بن ثابت انصاریؓ کا انتقال ہوا، ان کی چار بیٹیاں تھیں اور انہوں نے خاصا مال چھوڑا تھا لیکن اوسؓ کے چچازاد بھائی ان کا سارا مال لے گئے اور مرحوم کی لڑکیوں کو کچھ نہ دیا۔ حضرت اوسؓ کی بیوہ نے حضورﷺ کے پاس اس کی شکایت کی۔ پوری بات سن کر آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اللہ نے نازل فرمائی تو آپﷺ نے حضرت اوسؓ کے چچازاد بھائیوں عرفطہؓ اور قتادہؓ کو کہلوایا کہ ابھی اوسؓ کے مال میں سے کچھ خرچ نہ کرنا کیونکہ اوسؓ کی بیٹیوں کا بھی اس مال میں حق ہے، میں دیکھتا ہوں کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے کتنا حق متعین کیا جاتا ہے؟ اس کے بعد سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۱ نازل ہوئی، جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا حصہ الگ الگ بیان کیا گیا (جس کا ترجمہ اوپر گذر چکا)

ذکر کی گئی تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وراثت میں عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ ان کا لازمی حق ہے چیز چھوٹی ہو یا بڑی، مال کم ہو یا زیادہ، شرعی قانون کے مطابق عورتوں کو اس میں سے حصہ

دینا فرض ہے۔

ہمارے ملک کی ایک ریاست یوپی میں وراثت کے سلسلے میں ایک ایسا قانون نافذ ہے جس سے عورتوں کا یہ حق متاثر ہو رہا ہے اور خواتین کے حقوق کی باتوں اور نعروں کے درمیان خواتین کا مالی حق غصب کیا جا رہا ہے، یوپی میں یہ قانون نافذ تھا کہ کاشت کی زمین اور جائداد سے عورتوں کو حصہ نہیں دیا جائے گا، عرصے تک اس قانون پر عمل ہوتا رہا پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے عورتوں پر ہونے والے اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور ارباب حکومت کو اس جانب متوجہ کیا تو اس قانون میں جزوی ترمیم کی گئی کہ جو عورت غیر شادی شدہ ہو اسے زرعی جائداد میں حصہ ملے گا اور جو عورت شادی شدہ ہو اسے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ اس شکل میں بھی یہ قانون عورتوں کے ساتھ زیادتی ہے ''شادی'' وراثت حاصل کرنے کیلئے کوئی روک نہیں ہے، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں کا وراثت میں حصہ ملنا چاہئے، اسلامی قانون بھی یہی ہے۔ اسلام نے عورتوں کو جو وراثت کا حق دیا ہے اس میں اس طرح کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کو وراثت کا حقدار قرار دیا جائے اور شادی شدہ کو محروم رکھا جائے۔ عورت، عورت ہے چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، وہ ان دونوں حیثیتوں میں اپنے جائز حصے کی حقدار ہے، معاملے کا یہ پہلو بھی نگاہ میں رہنا چاہئے کہ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی بات پورے ملک میں کی جاتی ہے اور عورتوں پر ہونے والی زیادتی کا رونا رویا جاتا ہے، حقوق نسواں کے نام پر جلسے اور کنونشن بھی منعقد کئے جاتے ہیں، اخبارات میں مضامین شائع ہوتے ہیں جن میں عورتوں کو مظلوم ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے لیکن جب بات عورتوں کے حق دینے کی آتی ہے تو لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور مظلوم عورت کی مظلومیت پر کسی کو رحم نہیں آتا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ قابل مبارک باد ہے کہ اس نے اس ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور جن چار قوانین کو لے کر بورڈ کی جانب سے ملک گیر تحریک چلائی جا رہی ہے اور رائے عامہ کو بیدار کیا جا رہا ہے ان میں سے ایک قانون یہ بھی ہے جس کی وجہ سے عورتوں کا حق سلب ہو رہا ہے اور کاشت کی زمین میں ان کے جائز حصے سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے اور اس طرح کی قانون سازی عورتوں کو اسکے حق سے محروم کرنیکا ذریعہ ہے، ساتھ ہی قانون شریعت کے خلاف قانون سازی ہے اور مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہے، اس لئے ہر انصاف پسند اور ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ بورڈ کی جانب سے چلائی جانے والی ملک گیر تحریک میں شامل ہو کر بورڈ کی آواز کو طاقت بخشے تا کہ حکومت عورت مخالف، اور شریعت مخالف قوانین میں مناسب ترمیم کرے اور ملک کے باشندوں بالخصوص مسلمانوں کو اطمینان نصیب ہو سکے۔

❁❁❁

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات

فارم (۴) قاعدہ نمبر (۸)

رسالہ کا نام:	سہ ماہی خبر نامہ
مقام اشاعت:	نئی دہلی
مدت اشاعت:	سہ ماہی
پرنٹر، پبلیشر و ایڈیٹر کا نام:	سید نظام الدین
قومیت:	ہندوستانی
پتہ:	۷۶ اے/۱، مین بازار اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں سید نظام الدین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

دستخط

سید نظام الدین

ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک کی سرگرمیاں

حافظ محمد امتیاز رحمانی (دفتر آئینی حقوق بچاؤ تحریک، خانقاہ رحمانی، مونگیر)

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب جب اسلام پر فرعونی طاقت غالب آتی ہے تب تب کوئی نہ کوئی اور کسی نہ کسی شکل میں کوئی موسیٰ ضرور پیدا ہوتا ہے، جو دنیا والوں کی اصلاح اور ظالموں کا صفایہ کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اس ملک میں فرقہ پرست طاقتوں نے حکومت ہی نہیں بلکہ عدلیہ اور قانون ساز اداروں کو بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی بار بار حکمت عملی اپنائی، کبھی جبری نسبندی تو کبھی یونیفارم سول کوڈ تو کبھی لے پالک کبھی صریح طور پر قرآن وحدیث کی من مانی تشریح وتفسیر کے ذریعہ اسلامی قانون اور اسلامی تشخصات پر حملہ کی ناپاک سازشیں کیں لیکن ہندوستانی علماء نے ہمیشہ فرقہ پرستوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مؤمنانہ شجاعت ودلیری کا مظاہرہ کیا اور شریعت اسلامی میں کی جانے والی مداخلت کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ اس کی اہمیت اور اس کی آفاقیت کو تسلیم کرانے پر مجبور بھی کیا۔

اس وقت ایک بار پھر یہی فرقہ پرست طاقتوں نے قانون ساز اداروں کی آڑ لے کر ملت اسلامیہ ہندیہ کے ملی تشخص کو پامال کرنے کی ناپاک سازش رچ رہی ہے، اس ملک کے غیور اور ہوشمند علماء ودانشور کا متحدہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے حکومت اور قانون ساز اداروں سے نمائندگی کا فریضہ انجام دیا لیکن خاطر خواہ کامیابی نظر نہ آنے کی بنیاد پر بورڈ نے ۲۶؍نومبر ۲۰۱۱ء کی مجلس عاملہ میں ملک گیر پیمانے پر عوامی بیداری لانے کی غرض سے بورڈ کے جری اور بے باک عالم دین اور سیاسی وقانونی پہلوؤں پر گہری نظر رکھنے والے حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کی سرکردگی میں کل ہند سطح پر درج ذیل ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی:

۱۔	جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب	حیدرآباد
۲۔	مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کنوینر	مونگیر
۳۔	ڈاکٹر مولانا سعود عالم قاسمی صاحب جوائنٹ کنوینر	علی گڑھ
۴۔	مولانا سید کلب جواد صاحب	لکھنؤ
۵۔	مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب	لکھنؤ
۶۔	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب	دہلی
۷۔	مولانا مفتی محمد مکرم احمد صاحب	دہلی
۸۔	مولانا حافظ سید اطہر علی صاحب	ممبئی
۹۔	جناب ایم اے رشید انجینئر صاحب	پربھنی مہاراشٹر
۱۰۔	جناب الحاج ملک محمد ہاشم صاحب	چنئی
۱۱۔	مولانا ڈاکٹر یٰسین علی عثمانی صاحب	بدایوں
۱۲۔	جناب ایس۔ ایم۔ ایس خلیل الرحمٰن صاحب	بھٹکل
۱۳۔	جناب سید محمد احمد صاحب	دہلی
۱۴۔	جناب کمال فاروقی صاحب	دہلی
۱۵۔	جنابہ پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی صاحبہ	ممبئی
۱۶۔	جنابہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ	حیدرآباد
۱۷۔	مولانا خالد رشید فرنگی محلی صاحب	لکھنؤ
۱۸۔	جناب ناظم الدین فاروقی صاحب	حیدرآباد

کمیٹی کی تشکیل کے بعد کنوینر محترم مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی پہلے مرحلہ میں ۴۳؍دنوں تک مستقل بیماری اور پیرانہ سالی کی پرواہ کئے بغیر مسلسل پورے ملک کا دورہ کر کے اس تحریک کے ذریعہ عوامی بیداری کے فریضہ کو انجام دیا، جس کے نتیجہ میں خواص وعوام میں چاروں موضوعات سے متعلق لوگوں کی واقفیت ہوئی اور قانونی نکتوں کو وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا، اس تحریک کے بینر تلے اب تک تقریبا ایک سو سے زائد مقامات پر پروگرام منعقد ہو چکے ہیں، اور اس عوامی بیداری سے حکومت کے نظریہ میں بھی تبدیلی آتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔

درج ذیل خاکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس عوامی بیداری مہم میں لوگوں نے کس قدر دلچسپی لی ہے اس کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں:

ماہ دسمبر ۲۰۱۱ء

- ۶؍دسمبر ۲۰۱۱ء کو پٹنہ میں
- ۷؍دسمبر ۲۰۱۱ء کو حج بھون پٹنہ میں
- ۹؍دسمبر ۲۰۱۱ء کو فاربس گنج ضلع ارریہ کی جامع مسجد میں

- ۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو فاربس گنج ضلع ارریہ مدرسہ اصلاح المسلمین میں
- ۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں
- ۱۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو پورنیہ میں
- ۱۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مدرسہ اسلامیہ نیمارنگ جموئی بہار میں
- ۱۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو پاکیزہ بارات گھر جعفر آباد دہلی میں۔
- ۱۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء خانقاہ نقشبندیہ رحمانیہ مالیگاؤں میں۔
- ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مرکزی دفتر امارت شرعیہ پٹنہ میں
- ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۱ء سلیمانی مسجد نیا پورہ مالیگاؤں میں۔
- ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں
- ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو شہر مونگیر کی جامع مسجد میں
- ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو جموئی میں
- ۱۶ر دسمبر کو مسجد ام خالد الفرہود قاضی نگر پٹنہ میں
- ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مونگیر صحافیوں کا اجلاس۔
- ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو دریا پور پٹنہ کی جامع مسجد میں۔
- ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء اوکھلائی دہلی
- ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو بیلن بازار مونگیر میں
- ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو انجمن ترقی اردو پٹنہ میں
- ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو جے ای ٹی ہال مالیگاؤں میں پریس کانفرنس۔
- ۱۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو پٹنہ میں بڑے پیمانے پر پریس کانفرنس
- ۱۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء، دربھنگہ ضلع کے ڈان باسکو اسکول میں
- ۱۹ر دسمبر کو، ۲۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مدرسہ رحمانیہ سپول میں۔
- ۲۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء اسحاق منشی ٹاؤن ہال نیا پورہ مالیگاؤں میں
- ۲۱ر دسمبر ۲۰۱۱ء کی صبح کوٹھانی بہار میں
- ۲۱ر دسمبر ۲۰۱۱ء کی شام منٹھا بہار میں
- ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو گیاری بہار میں۔
- ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مظفر پور میں۔
- ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو اردو ہائی اسکول و جونیئر کالج جلگاؤں میں
- ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو بلتھی ضلع مدھوبنی میں
- ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء بھیم پور مدھوبنی میں
- ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۱ء سلیمانی مسجد ہال مالیگاؤں میں
- ۲۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو کٹیہار میڈیکل کالج کٹیہار میں،
- ۲۴ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو بیتیا مغربی چمپارن میں،
- ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو کنہی دربھنگہ میں ا۔
- ۲۷ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو مدرسہ اصلاح المسلمین رامپور بہار میں
- ۲۸ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو تاج المساجد بھوپال میں،
- ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو فاربس گنج ضلع ارریہ کی جامع مسجد میں،
- ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو منت اکیڈمی اشرف نگر مونگیر میں،
- ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو چھاؤنی اندور میں،
- ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو کٹک (اڑیسہ) میں۔
- ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو آئی ایس پلازہ بھکو چوک مالیگاؤں میں۔
- ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو پونہ میں،
- ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو شہر حیدر آباد میں

ماہ جنوری ۲۰۱۲ء

- یکم جنوری ۲۰۱۲ء کو شہر ناندیڑ مہاراشٹر میں
- ۴ر جنوری ۲۰۱۲ء کو میونسپل اردو اسکول نمبر ۱، مالیگاؤں میں
- ۴ر جنوری ۲۰۱۲ء کو آسنسول میں
- ۶ر جنوری ۲۰۱۲ء کو نہرو بھون اورنگ آباد مہاراشٹر میں
- ۶ر جنوری ۲۰۱۲ء کو دہرہ دون اترا کھنڈ میں
- ۸ر جنوری ۲۰۱۲ء کو مدرسہ اسلامیہ انجمن فلاح المسلمین حاجی پور
- ۸ر جنوری ۲۰۱۲ء کی صبح احاطہ بارہ دری محلّہ روشن خاں پربھنی میں
- ۸ر جنوری ۲۰۱۲ء کو بعد نماز مغرب ہنگولی (مہاراشٹر) میں۔
- ۱۰ر جنوری ۲۰۱۲ء کو دارالعلوم حیدر آباد میں
- ۱۳ر جنوری ۲۰۱۲ء کو جامع مسجد پرگی ضلع رنگاریڈی میں
- ۱۳ر جنوری ۲۰۱۲ء کو دیوری پیر الطیف کی مسجد میں
- ۱۵ر جنوری ۲۰۱۲ء کو پنویل مہاراشٹر میں
- ۱۵ر جنوری ۲۰۱۲ء کو نیو کالج مدراس تامل ناڈو میں
- ۱۶ر جنوری ۲۰۱۲ء کو کرلا ممبئی میں،
- ۱۶ر جنوری ۲۰۱۲ء کو جامع مسجد قلعہ میدان ضلع بیڑ مہاراشٹر میں
- ۱۷ر جنوری ۲۰۱۲ء کو لاتور مالیگاؤں میں
- ۲۰ر جنوری ۲۰۱۲ء کو اعظم کیمپس گراؤنڈ شہر پونہ میں۔

- ۱۸؍جنوری ۲۰۱۲ء کو شولا پور مالیگاؤں (مہاراشٹر) میں۔
- ۱۹؍جنوری ۲۰۱۲ء کو مدرسہ دینیہ غازیپور یوپی میں
- ۱۹؍جنوری ۲۰۱۲ء کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل کرناٹک میں
- ۲۲؍جنوری ۲۰۱۲ء کو پرگی ضلع رنگاریڈی میں
- ۲۲؍جنوری ۲۰۱۲ء کو متھرا روڈ، نظام الدین نئی دہلی میں۔
- ۲۲؍جنوری ۲۰۱۲ء کو ممبرا مہاراشٹر میں
- ۲۶؍جنوری ۲۰۱۲ء کو قلعہ روڈ نظام آباد شہر آندھرا پردیش میں
- ۲۸؍جنوری ۲۰۱۲ء کو جامع مسجد اپر بازار رانچی میں
- ۲۹؍جنوری ۲۰۱۲ء کو ملی الامین کالج کلکتہ میں
- ۲۹؍جنوری ۲۰۱۲ء کو ملت اکیڈمی جھارکھنڈ میں
- ۲۹؍جنوری ۲۰۱۲ء کو شہر فرخ آباد یوپی میں

ماہ فروری ۲۰۱۲ء

- ۲؍فروری ۲۰۱۲ء کو گولڈن پیلیس اکبری گیٹ لکھنو میں
- ۴؍فروری ۲۰۱۲ء کو انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر نئی دہلی میں
- ۵؍فروری ۲۰۱۲ء کو کٹیہار میڈیکل کالج کٹیہار بہار میں
- ۵؍فروری ۲۰۱۲ء کو برکت پور محلّہ اسلام پور قصبہ پیر الطیف میں
- ۵؍فروری ۲۰۱۲ء کو قصبہ اٹکی، رانچی جھارکھنڈ میں
- ۷؍فروری ۲۰۱۲ء کو دارالعلوم الاسلامیہ ملیا گوگری کھگڑیا بہار میں
- ۱۰؍فروری ۲۰۱۲ء کو کنیڈی ہال اے ایم یو علی گڑھ یوپی میں
- ۱۲؍فروری ۲۰۱۲ء کو پرنا بیگوسرائے بہار میں
- ۱۹؍فروری ۲۰۱۲ء کو شہر سہرسہ بہار میں
- ۲۲؍فروری ۲۰۱۲ء کو سمستی پور بہار میں

ماہ مارچ ۲۰۱۲ء

- ۳؍مارچ ۲۰۱۲ء کو ناگپور، مالیگاؤں مہاراشٹر میں
- ۷؍مارچ ۲۰۱۲ء کو سینٹرل اسکول مظفر پور بہار میں
- ۱۶؍مارچ ۲۰۱۲ء کو مجیدیہ گرلز ہائی اسکول ناگپور مہاراشٹر میں
- ۲۰؍مارچ ۲۰۱۲ء کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل کرناٹک میں

ماہ اپریل ۲۰۱۲ء

- ۸؍اپریل ۲۰۱۲ء کو شہر نوادہ بہار میں
- ۸؍اپریل ۲۰۱۲ء کو واکول ضلع نوادہ بہار میں
- ۸؍اپریل ۲۰۱۲ء انڈوس بہار شریف بہار میں
- ۹؍اپریل ۲۰۱۲ء کو نیمارنگ جموئی بہار میں
- ۹؍اپریل ۲۰۱۲ء کو اڈسار جموئی بہار میں
- ۱۱؍اپریل ۲۰۱۲ء کو شہر بیگوسرائے بہار میں
- ۱۱؍اپریل ۲۰۱۲ء کو چمپانگر، بھاگلپور بہار میں
- دسمبر ۲۰۱۱ء تا ۱۰؍اپریل ۲۰۱۲ء مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے ذمہ داران وموقر اساتذہ کی نگرانی وسرپرستی میں پورے سرائے میر واعظم گڑھ کے ۵۳؍مقامات پر تحریک کے پروگرام منعقد ہوئے۔

الحمدللہ بورڈ کی ان کوششوں سے ایک طرف جہاں عوامی بیداری کا کام انجام پارہا ہے وہیں دوسری طرف حکمراں جماعت بھی ان امور پر سنجیدہ نظر آرہی ہے، بورڈ کے اس جرأتمندانہ اقدام کے بعد ملک کی دوسری ملی جماعتوں نے بھی ان چاروں موضوعات کو اپنے پروگراموں میں شامل کرنا شروع کردیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان امور کو سمجھا جائے اور دوسروں کو سمجھایا جائے، اس وقت ان چاروں موضوعات کی تفصیلات کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کرنا ہم سب کی ذمہ داری اور دینی فریضہ بھی ہے۔

اس سلسلہ میں بورڈ نے حسب ذیل تحریریں شائع کی ہیں:

- بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق قانون اور گائڈ لائن کے بعد کی صورتحال — کتابچہ
- بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق RTE — سہ ورقہ
- وقف کے قانون کا اثر دار ہونا ضروری ہے! — سہ ورقہ
- اور اب ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ — سہ ورقہ

از: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب

- ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ کے مضر اثرات — سہ ورقہ

از: محمد عبدالرحیم قریشی

ان تحریروں سے پوری بات سمجھ آجاتی ہے، یہ چاروں سہ ورقہ اور رسالہ ہر مقام پر ہزاروں کی تعداد میں شائع کرکے تقسیم بھی کیا گیا۔ پروگرام کا سلسلہ پورے ملک میں اب بھی جاری ہے اور جو صاحب بھی پڑھنا چاہیں، وہ اپنا مکمل پتہ، فون اور ای میل نمبر سے دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو آگاہ فرمائیں۔ انشاءاللہ یہ چیز مطبوعہ شکل میں یا ای میل کے ذریعہ ان تک پہونچیگی۔

ہندوستان اور نظام قضاء

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ (سابق صدر بورڈ)

۱۸۳۳ء میں برطانوی حکومت نے لارڈ میکالے کے زیر صدارت انڈین لاکمیشن مقرر کیا، جس نے عدلیہ کی جدید تنظیم کی، اور اس سلسلہ میں بہت وسیع الاثر سفارشات حکومت کے سامنے پیش کیں، ان سفارشات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مسلمان قاضیوں کے ذریعہ فصل خصومات کے طریقہ کو موقوف کردیا جائے اور فیصلہ کے تمام اختیارات انگریزی عدالتوں کے حوالے کردئے جائیں۔ ۱۸۵۵ء میں لارڈ ویلی کے زیر صدارت پھر رائل کمیشن مقرر ہوا، جس نے ان سفارشات پر مزید غور وخوض کیا اور ۱۸۶۴ء میں ہائی کورٹ ایکٹ کے ذریعہ پرانی عدالتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا گیا، اس طرح وہ قضاۃ جو اسلامی اصولوں کے مطابق قانونِ شریعت کے اجراء وتنفیذ پر مامور تھے، بہ یک جنبش قلم رخصت کردئے گئے۔

اب انگریزی حکومت اپنے اس وعدہ پر تو قائم تھی کہ مسلمانوں پر قانونِ شریعت کا نفاذ ہی عمل میں آئے گا، لیکن قانون کا نفاذ ان لوگوں کے ذریعہ ہونے لگا، جو خود قانون کی روح اور اس کے مزاج سے بالکل ہی ناواقف اور نابلد تھے، نہ وہ قرآن وحدیث اور کتب فقہ کی اصل زبان یعنی عربی زبان سے واقف تھے اور نہ ان علوم وفنون سے آگہی رکھتے تھے، جن کے بغیر قانونِ شریعت کے مقصد ومنشا کو سمجھنا ممکن نہیں، خود انگریزی زبان میں اسلامی قانون کو منتقل کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی، وہ بہت ہی ناقص اور ناتمام تھی، جو محمڈن لاعدالتوں میں نافذ تھا، اس کا ماخذ ومرجع محض یہ کتابیں تھیں: ہدایہ کا ترجمہ جو ہیملٹن نے کیا تھا، اور ۱۷۹۱ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ اس ترجمہ کا حال یہ ہے کہ یہ ترجمہ در ترجمہ ہے، ہدایہ کے ایک غیر معروف فارسی ترجمہ سے اس کو انگریزی میں منتقل کیا گیا ہے، ۱۷۹۲ء میں سرولیم جونز نے سراجی کو انگریزی کا جامہ پہنایا اور شریفیہ کی مدد سے اس کی شرح کی، ۱۸۰۹ء میں میتھیوز نے مشکوۃ کا ترجمہ کیا اور بیلی نے فتاویٰ عالمگیری کی تلخیص کی، جو ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ خلاصہ اصل کی ضرورت کو پوری نہیں کرتا، خاص کر ایسی صورت میں کہ وہ ایک ایسے شخص کے قلم سے ہو جو اس فن میں مبتدی کا درجہ رکھتا ہو، ان کے علاوہ ۱۸۲۵ء میں میکناٹن کی ''اصول ونظائر شرع محمدی'' (PrinciPles and Precedents of Mohammaden Law) کے نام سے شائع ہوا، جو دراصل ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالتوں میں آنے والے مقدمات پر مسلمان علماء کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، بدقسمتی سے انگریزی عدالتوں نے ایک تو قرآن مجید سے براہ راست احکام اخذ کرنے کی کوشش کی اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ انہوں نے سیل اور پامر کے محرف ترجموں اور ریورینڈ ویری کی معاندانہ تفسیر قرآن کو اپنا ماخذ بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ نظام قضا کی تنسیخ کا یہ اقدام قانون شریعت پر کاری ضرب تھا، اور اس سے دوہرا نقصان پہونچا، ایک تو بہت سے مقدمات میں قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے قاضی مسلم کے بغیر فیصلہ نافذ ہی نہیں ہوتا ہے، اس لئے چاہے عدالت احکام شرعی کو نافذ کرتی ہو، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے وہ احکام غیر معتبر ہیں، دوسرے قانون کی تشریح وتوضیح کا حق ایسے لوگوں کو دے دیا گیا جو اس قانون کے مقصد ومنشاء اس کی روح اور اس کے متعلقات سے بڑی حد تک ناواقف اور نابلد ہیں، ایسے لوگ قانون کا جو حشر کریں گے وہ ظاہر ہے، اور یقیناً کسی قانون کے ساتھ اس سے بڑھ کر کوئی ناانصافی نہیں ہوسکتی، چنانچہ منصف مزاج اور حقیقت پسند انگریز قانون دانوں کو اس کا احساس واعتراف تھا، سرنیوٹ ولسن

''اینگلومحمڈن لا''میں لکھتا ہے:

اس طرح ایک فیصلہ یا چند مسلسل فیصلوں سے جو قانون بن جائے، وہ بہت ممکن ہے کہ اکثر حالات میں قدیم مستند کتابوں کی اسپرٹ یا موجود مسلمانوں کے تعامل اور مسلمہ توقعات یا دونوں کے خلاف ہو، مگر ایسی حالت میں عدالتیں اس خرابی کے علاج سے بالکل قاصر ہیں، ہمارے روایتی انگریزی اصول پابندیٔ نظیر کے مطابق ایک زیادہ قابل جج ایک کم قابل پیش رو جج کے فیصلہ کی پابندی پر مجبور ہے''۔

اس کے علاوہ مختلف اوقات میں ایسے قوانین بنائے جاتے رہے جس نے براہ راست یا بالواسطہ طریقہ پر مسلم پرسنل لا کو متاثر کیا، اسلامی قانون شہادت کو موقوف کر کے برطانوی قانون شہادت رائج کیا گیا، قانونِ میراث میں ایسی تبدیلی کی گئی کہ اب ایک شخص مرتد ہو کر بھی مسلمان سے وارث ہوسکتا ہے، شریعت میں بعض احکام بلوغ سے متعلق ہیں، اب صرف نکاح وطلاق کے احکام کو حقیقی بلوغ سے متعلق رکھا گیا۔

اسلامی قانون کی روح سے ناواقفیت کی وجہ سے عدالتوں نے بعض ایسے فیصلے کئے جو صریحاً کتاب وسنت سے متصادم ہیں، مثلاً خاندانی رواج کی بنیاد پر عدالتوں نے بیٹی کو باپ کے ترکہ سے محروم کردیا، اسی کے نتیجہ میں ہمارے اکابر علماء کی کوششوں سے شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء بنا، یہ قانون ۷/اکتوبر ۱۹۳۷ء سے نافذ ہوا، اور اس میں یہ بات تسلیم کی گئی کہ اگر فریقین مسلمان ہوں تو میراث، ہبہ، نکاح، فسخ نکاح، طلاق، ظہار، لعان، خلع، مبارأت، نفقہ، ولایت اور وقف کے مسائل میں ان پر قانونِ شریعت کا اطلاق ہوگا، یہ نہایت اہم قانون ہے، جو شریعت کو رسم ورواج اور سماجی روایتوں پر فوقیت عطا کرتا ہے، پھر برطانوی عہد میں بھی قانون تنسیخ نکاح مسلم ۱۹۳۹ء پاس ہوا، جس میں پریشان حال مسلم خواتین کے لئے قانونِ شریعت کی روشنی میں فسخ نکاح کی سہولت فراہم کی گئی، ۱۷/مارچ ۱۹۳۹ء کو یہ قانون بنا، اس قانون کے پیچھے اس عہد کے اکابر علماء حضرات مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کی کوششیں کارفرما تھیں۔

آزاد ہندوستان میں:

ملک کی آزادی سے پہلے کانگریس پارٹی نے اپنی مختلف میٹنگوں میں آزاد ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا عہد کیا، مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تقریروں میں واضح طور پر اس کا تیقن دیا، چنانچہ آزادی کے بعد دستور کے بنیادی حقوق میں ایسی دفعات رکھی گئیں جو مسلم پرسنل لا کو تحفظ دیتی ہیں، لیکن رہنما اصول کی دفعہ:۴۴ میں یہ بات بھی کہی گئی کہ حکومت کو چاہئے کہ پورے ملک کے لئے ایک مشترکہ سول قانون بنائے، یہ ایسی دفعہ ہے جس سے اول دن سے مسلمان، علماء اور قائدین کو اختلاف رہا ہے، رہنما اصول میں نشہ بندی اور پوری قوم کو بنیادی تعلیم کی فراہمی کی دفعات بھی ہیں، لیکن ان امور کو ہماری حکومتوں نے غیر اہم اور ناقابل توجہ سمجھا اور جو لوگ مسلمانوں کو اکثریتی تہذیب میں جذب کرنے کے متمنی اور مسلمانوں کو ان کے مذہبی تشخصات سے محروم کرنے کے خواہاں تھے اور ہیں، انہوں نے یکساں سول کوڈ کی اس دفعہ کی ایسی پذیرائی کی کہ گویا ملک وقوم کے سارے مسائل اسی وجہ سے ہیں اور یکساں سول کوڈ ایسی کلید ہے۔ جس سے ملک وقوم کے سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔

نظام قضاء کی اہمیت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ قانونِ شریعت کے نفاذ کے لئے نظامِ قضاء ایک ناگزیر ضرورت ہے، خود برطانوی مفکرین کو بھی اس کا احساس تھا، چنانچہ ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں لکھتے ہیں:

''ہم جانتے ہیں کہ باقاعدہ قاضیوں کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی مذہبی قواعد کے ساتھ بسر کرسکیں، ان کی اجازت بعض مذہبی مراسم ہی میں نہیں، بلکہ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں بھی کئی ایک چھوٹے مسئلے ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن کا صحیح حل قاضی ہی کرسکتا ہے''۔

نظام قضا کی افادیت صرف اس اعتبار سے ہی نہیں ہے کہ اس

سے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں سہولت ہوگی، اور لوگ عدالتی کارروائی کی سرگرانی، زیرباری، اور انصاف حاصل کرنے کے لئے طویل انتظار سے بچ سکیں گے، بلکہ مسلمانوں کے لئے شرعی اعتبار سے بھی یہ نہایت اہم ضرورت ہے، بہت سے معاملات وہ ہیں جن کو شریعت نے افراد واشخاص کے بجائے عدلیہ کے حوالہ کیا ہے، قاضی کو چونکہ مسلمانوں پر ولایتِ عامہ حاصل ہوتی ہے، اس ولایت کے تحت وہ کسی فریق کی طرف سے خصوصی تصرف کا حق رکھتا ہے، اور یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ مسلمانوں پر مسلمان ہی کو ولایت حاصل ہوسکتی ہے۔ ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبۃ:۷۱)۔ اس لئے ایسے مقدمات میں قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”لاتصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة كذا في الهداية من الإسلام والتكليف والحرية وكونه غير أعمى ولا محدوداً في القذف ولا أصم ولا أخرص“

یعنی قاضی کے لئے مسلمان، عاقل وبالغ، آزاد ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تہمت لگانے کا سزایافتہ نہ ہو، اور گونگا یا بہرہ نہ ہو۔

مثلاً کسی عورت کا شوہر لاپتہ ہو، قاضی ہی اس کا نکاح توڑ سکتا ہے، نابالغ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا ہو، اور بالغ ہونے کے بعد لڑکا یا لڑکی اس نکاح کو ختم کرنا چاہیں، شوہر بیوی کے حقوق ادا نہ کرتا ہو، یا ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو، یا حرمت مصاہرت پیدا ہوگئی ہو، یہ اور اس طرح کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں فسخ نکاح کے لئے قضاء قاضی شرط ہے، پس نظام قضاء سے محرومی شرعی اعتبار سے بھی نہایت اہم ترین ضرورت ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں اقتدار کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک پر متفق ہوکر اسے امیر بنالیں جو ان کے لئے قاضی کا تقرر کرے، یا خود ان کے مقدمات کا فیصلہ کرے، چنانچہ مشہور فقیہ علامہ شامیؒ علامہ ابن ہمامؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”وفي الفتح إذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد عنه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن، يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً أو يكون هو الذي يقضي بينهم“ (ردالمحتار، کتاب القضا ۴/۴۲۷)

(فتح القدیر میں ہے کہ کسی ملک میں کوئی مسلمان سلطان نہیں ہو اور نہ کوئی ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہو، جیسا کہ آج بعض مسلم ممالک مثلاً قرطبہ وغیرہ کا حال ہے، جہاں غیر مسلموں کا غلبہ واقتدار ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق ورضامندی سے اپنا والی مقرر کرلیں، جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا خود وہ والی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے)۔

ہندوستان اور نظام قضاء:

قاضی کا تقرر اصل میں امیر کی ذمہ داری اور اس کا حق ہے، لیکن اگر کسی علاقہ میں نظام امارت قائم نہ ہو اور مسلمانوں کے اربابِ حل وعقد کی طرف سے اس کو منصب قضاء تفویض کرنا درست ہوگا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے: **يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين**، کہ قاضی مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی ہوسکتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسلم پرسنل لا پر صحیح طریقہ سے عمل اور سماجی مسائل کے حل کے لئے نظام قضا کا قیام اور اس کا استحکام نہایت ہی ضروری ہے، اور بہت سی مشکلات اور دشواریاں جو پیش آتی ہیں، ان کا حل اس کے سوا اور کچھ نہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے شروع سے اس مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی ہے، لہٰذا ہمیں اس کے لئے اپنی کوششیں اور تیز تر کرنی ہوں گی۔

۞۞۞

۞

ہندوستان میں نظام قضا کا قیام

مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی (سکریٹری جامعۃ المؤمنات الاسلامیہ لکھنؤ)

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ایک دستور زندگی ہے، اس سے ذرہ برابر پہلوتہی کرنا اور سرِ مو انحراف کرنا اسلام کی روح اور اس کے امتیاز وتشخص کے خلاف ہے اسلام کے اس نظام حیات کی رہ نمائی قرآن کریم نے درج ذیل آیت میں کی ہے:

ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اولو الامر کی۔ (سورہ نساء:۵۹)

عہد اسلام میں سب سے پہلا دور، خلافت راشدہ کا تھا جس میں مکمل اسلامی نظام قائم تھا، شرعی عدالتیں عدل وانصاف کا مرکز ہوا کرتی تھیں، بیت المال کے ذریعہ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام موجود تھا، اسلام جب پوری دنیا میں پھیلا تو اس نے اس نظام کو ہر جگہ قائم کیا، اور جب تک مسلمان اس نظام سے مربوط رہا، اس کا امتیاز وتشخص برقرار رہا، لیکن خلافت اسلامیہ کا زوال ہوا اور بہت سے اسلامی ممالک برطانیہ کے زیرنگیں ہوگئے، تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان حالات میں بھی مسلمانوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا، اور غیر اسلامی حکومت نے بھی مسلمانوں کے مسائل ومعاملات کے تصفیہ کے لئے اسلامی قوانین اور شرعی عدالتوں کا نظام برقرار رکھا، ہندوستان میں جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو انہوں نے بھی مسلمانوں کے نظام قضا کو برقرار رکھا اور مسلمان قاضی حکومت برطانیہ کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے رہے، اور انگریزی حکومت نے عدالتوں میں بھی اسلامی قوانین کی روح کو برقرار رکھا حتی کہ آزادی کے بعد بھی عدالتوں میں انگریزی دور حکومت کا مرتب کردہ شریعت اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء رائج ہوا، اور آج بھی عموماً اسی کی روشنی میں فیصلے صادر ہوتے ہیں لیکن ججوں کے ان مسائل سے عدم واقفیت ان کی روح اور ان کے مزاج سے لاعلمی کی وجہ سے ہمیشہ ان کے نفاذ میں مسائل پیدا ہوئے، نیز ملک میں ایک طبقہ نے یکساں سول کوڈ کے قیام کی تحریکیں چلائیں، اور اس کے لئے راہ ہموار کرنے اور پارلیمنٹ سے بل پاس کرانے کی کوشش کی، جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے، لیکن علماء کرام اور دانشوران ملت کے بروقت اقدام اور ان کی تحریک نے اس قانون کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا اور یہ بل واپس لینا پڑا۔ ملک کے اندر عصبیت اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے مدنظر نیز اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے پیش نظر یہ لازمی تھا کہ ملک میں مسلمانوں کا اپنا نظام قضا ہو، ان کی شرعی عدالتیں ہوں اور امارت کا نظام قائم ہو جس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ہے، الغرض ملک کی تاریخ گواہ ہے کہ کسی دور میں بھی مسلمان اس نظام امارت سے علاحدہ نہیں ہوئے۔

ان حالات میں مسلمانوں کے ہر طبقے کا بنیادی اور اہم دینی فریضہ یہی ہے کہ باہمی اختلاف وافتراق سے بالاتر ہوکر اندرون ملک نظام قضاء کے قیام واستحکام کی طرف فوری توجہ دیں اس لئے کہ اس نظام کی اس وقت ہر طبقہ کے مسلمانوں کو ضرورت ہے جس کے لئے ازروئے فقہ تین شکلیں ہیں۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کی نشاندہی اپنے ایک مقالہ میں فرمائی ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے:

”غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کے لئے ان کی وسعت واستطاعت کے مطابق اپنے معاملات کے نظم ونسق وترتیب واجرا کے لئے حسب ذیل تین شکلیں ہیں:

۱- اگر ممکن ہو تو مسلمان خود اپنی طرف سے متفق ومتحد ہوکر اپنے والی کا انتخاب کریں اور وہ قاضیوں کا تقرر کرے گا۔

۲- یہ نہ ہوسکے تو اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ہی ان پر ایک مسلمان والی مقرر کردے، یہ مسلمان والی پھر قاضیوں کا تقرر کرے۔

۳- یہ بھی نہ ہو تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی ہی کا انتخاب کریں۔

یہ تینوں شکلیں فقہ کی کتابوں میں مذکورہ ہیں:

۱- اگر کسی ملک میں مسلمان حاکم نہ ہو اور نہ اس شخص کا وجود ہو جو قاضی کا تقرر کرسکے جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان ملکوں کا حال ہے جن پر

غیر مسلم اب قابض ہوگئے ہیں جیسے ملک مغرب میں آج کل قرطبہ اور بلنسیہ اور حبشہ کو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے یہاں رہنے کی اجازت خراج ومحصول ادا کرنے پر دے دی ہے، ایسے ملکوں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہوکر اس کو اپنا والی بنالیں اور وہ والی کسی کو قاضی بنائے یا وہی ولی قضاء کا کام بھی کرے، اور ایسا ہی ضروری ہے کہ وہ امام مقرر کرلیں جو ان کی جمعہ کی نماز پڑھائے۔ (فتح القدیر)

۲- ایسے ملک میں جن پر غیر مسلم حکام ہیں، مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنا درست ہے، اور ایسے ملک میں مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی، قاضی ہوجائے گا، اور اس ملک کے مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ حکومت سے کسی مسلمان والی کے تقرر کا مطالبہ کریں۔ (عالمگیری ردالمحتار عن المبسوط)

۳- ہر وہ ملک جس میں غیر مسلموں کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس والی کی طرف سے جمعہ اور عیدین کی نماز کا قیام درست ہے، اور اسی طرح خراج لینا اور قاضیوں کا مقرر کرنا اور بیواؤں کا نکاح اسکی اجازت سے اس لئے درست ہے کہ اس نے مسلمانوں کو ان پر حاکم بنایا ہے... لیکن ان ملکوں میں جن پر غیر مسلم والی مقرر ہیں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کی نمازیں درست ہیں، اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجائے گا، اور وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ حکومت سے کسی مسلمان والی کا مطالبہ کریں۔ (ردالمحتار)

ہندوستان میں مسلمانوں کے معاملات کے نظم ونسق وترتیب اور احکام کے اجراء اور قضاء کے لئے تینوں مذکورہ بالا شکلوں میں سے ایک شکل اختیار کرنی پڑے گی، ہندوستان میں مختلف مذہبوں اور قوموں کی مخلوط آبادی ہے... اس بنا پر اگر کوئی صورت ممکن ہوتو یہ ہے کہ:

''مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی کا انتخاب کریں اور قاضی کو تنفیذ کی طاقت اور قوت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت اس انتخاب کو قبول کرے، اس بنا پر اگر مسلمان اپنے قاضی القضاۃ کا انتخاب کریں اور گورنمنٹ اس کو منظور کرے اور یہ قاضی القضاۃ مسلمانوں کی رضامندی اور گورنمنٹ کی منظوری سے اضلاع اور تحصیلوں میں قاضیوں اور نائب قاضیوں کا تقرر کرے تو تمام مشکلات کا حل ہوجاتا ہے''۔ (مضامین سید سلیمان ندوی ۲۶۹-۲۷۲)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اولین صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ رقم طراز ہیں کہ نظام قضاء کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً بلا لحاظ اختلاف مسلمانان ہند کے لئے ایک امیر منتخب کیا جائے جو تولیت کا فرض انجام دے:

الف۔ اگر نصب امیر میں دشواری ہوتو یہ کافی ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہند کے ''ارباب حل وعقد'' پر مشتمل ایک مرکزی بورڈ بنایا جائے کہ جو امیر بتراضی مسلمین کا مصداق ہو اور اسی بورڈ کے اتفاق سے قضاء کا انعقاد عمل میں آئے۔

ب۔ پھر اس بورڈ کی جانب سے ہر صوبہ کے لئے ایک ایک قاضی القضاۃ مقرر کیا جائے اور ان قضاۃ کے تحت صوبائی کونسلوں کی تشکیل کی جائے جن کے مشورہ سے قاضی اپنے صوبے کے مختلف اضلاع میں قضاۃ مقرر کرے۔

ج۔ یہ قضاۃ مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور خصوصیت کے ساتھ ان معاملات میں جن میں شرعاً قضاء قاضی ضروری ہے، شرع اسلامی کے مطابق فیصلہ کے مجاز ہوں۔

د۔ قضاء شہادت اور دوسرے ابواب فقہیہ کے بارے میں جن کا تعلق نظام قضاء ہی ایک مرتب قانون ان کے حوالہ کیا جائے جو فیصلہ میں رہنمائی کرے۔

ہ۔ مقامی قضاۃ کے فیصلہ کے خلاف اپیلوں کی سماعت صوبائی دارالقضاء میں ہو۔

و۔ قضاء اور اس کے متعلق ضروری امور کا ایک نصاب بنایا جائے اور اسی کے ساتھ اس کی تعلیم کا نظم کیا جائے، نیز چند ماہ عملی تربیت کی صورت بھی نکالی جائے۔

بہرحال مذکورہ جزئیات فقہیہ اور ضروریات واقعیہ کے تحت یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے تمام مسائل میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور اولیت کا حامل نظام قضاء کا مسئلہ ہے، اس کے حل ہوجانے سے بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے اور اس کو حل نہ کیا جاسکا تو ان مسائل کے حل کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

اس طرح نظام قضاء کے مسئلہ پر فوری توجہ وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل اور دین وملت کی بنیادی خدمت ہے اور اس سے لاپرواہی مستقبل قریب ہی میں ہمارا ناقابل معافی جرم بن جائے گا۔

لہٰذا دردمند بابصیرت مسلمانوں سے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ وہ مسئلہ کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کی سعی کریں گے۔ واللہ الموفق والمستعان وعلیہ التکلان.

۞۞۞

نظام قضا کا قیام اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات

مفتی محمد فیاض عالم قاسمی

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں انسانی زندگی گزارنے کے سلیقے اور اس میں پیش آنے والے مشکلات سے نمٹنے کے طریقے اچھوتے انداز میں بیان کئے گئے ہیں، انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی، عائلی قوانین ہوں یا سماجی خدمات، اخلاقی قدریں ہوں یا علمی کمالات ہر زاویے سے اسلام نے انسان کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ انسانی زندگی سماج کے اعتبار سے دو پہلو رکھتی ہے انفرادی اور اجتماعی۔ انفرادی زندگی سے کہیں زیادہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہوتا ہے بلکہ اپنی پوری زندگی کا بیشتر حصہ اسی اجتماعیت سے وابستہ ہے۔

اختلاف بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے البتہ اس کو طول دینا اور اپنی انا کا مسئلہ بنا لینا بالفاظ دیگر اختلاف کا تنازع کی شکل اختیار کر لینا یقیناً برا ہے۔ چنانچہ یہ صورت حال ایک شریف الطبع انسان کے مزاج کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب میں باہمی اختلافات سے نمٹنے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے قانون (Law) کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

نظام قضا کی حقیقت

مذہب اسلام ہر قسم کے اختلافات سے نمٹنے کے لیے ایک مضبوط اور لازوال قانون رکھتا ہے جس سے انسان آسانی سے اپنے تنازعات کو حل کر سکتا ہے۔ جس کو اصطلاح میں نظام قضا کہتے ہیں اور اس کام کو جو انجام دے اسے قاضی کہتے ہیں، اور وہ جگہ جہاں باہمی تنازعات میں اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ دیا جائے اسے دار القضا کہتے ہیں۔ صاحب بدائع الصنائع قضا کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

قضا کے معنی لوگوں کے درمیان حق کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ (بدائع الصنائع ۷/۲)

چنانچہ اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے نزاعات کا اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق تصفیہ کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یعنی جب تمہارے درمیان آپسی جھگڑا رونما ہو جائے تو تم اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو اور ان کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق حل کرو اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت پر یقین رکھتے ہو۔ (سورہ نساء)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''تمہارے رب کی قسم وہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو اپنے تنازعات کے حل کے لیے حکم نہ بنا لیں اور جب قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ ہو جائے تو وہ اپنے دل کو اس فیصلہ کے خلاف تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔'' (نساء ۶۵)

نصب قاضی

چوں کہ ہر زمانے میں قضا کی اہمیت اور ضرورت رہی ہے اس لیے فقہاء اسلام نے بلا لحاظ مسلم وغیر مسلم ملک متفقہ طور پر نصب قاضی کو فرض قرار دیا ہے علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

قاضی مقرر کرنا فرض ہے کیوں کہ قاضی کا تقرر ایک فرض کام کی انجام دہی کے لیے ہوتا ہے وہ فرض کام قضا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے داؤد ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا لہذا لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا: ان لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ چوں کہ قاضی کا تقرر ایک فرض کی انجام دہی کے لیے ہوتا ہے اس لیے لازماً تقرر قضا فرض ہوا۔ (بدائع الصنائع: ۲/۷)

ہندوستان اور نظام قضا

ہندوستان میں نظام قضا کا قیام اسلام کی آمد کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور اس وقت کے راجاؤں نے مذہبی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے فیصلوں کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن باضابطہ طور پر قاضیوں کا تقرر ہندوستان کی فتح کے بعد عمل میں آیا اور اسلام کا نظام عدل نافذ ہوا جو تقریباً مسلم سلاطین کے ہر عہد میں قائم رہا اور پوری دنیا میں اسلامی قانون کی بالادستی قائم رہی۔ مسلمانوں کے خصومات ان ہی کے ذریعہ انجام پاتے تھے تا آنکہ انگریز کے ناپاک قدم ہندوستان میں پڑے، انھوں نے ۱۸۶۴ء میں ہندوستان سے نظام قضا کو ختم

کرنے کے لیے قاضی کے تقرر کو موقوف کر دیا، اور نظام قضا کا روشن چراغ دھیرے دھیرے گل ہوتا گیا۔ البتہ خود مختار مسلم ریاستوں جیسے حیدر آباد، ٹونک ، رامپور اور بھوپال میں قضا کا نظام قائم رہا۔ حیدر آد میں ۱۹۴۸ء تک نظام کی طرف سے قضاۃ مقرر ہوتے تھے۔ ریاست بھوپال کا نظام قضا بھی بہت ممتاز تھا جو عدالت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے فسخ و تفریق سے متعلق مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔ بہار میں ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں انجمن علماء بہار کی تشکیل ہوئی اور اس میں سات دار القضا قائم ہوئے پھر جب ۱۹۱۹ء میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا تو دار القضا کا نظام اس امارت شرعیہ کے تحت آ گیا۔ تدریجا اس کے دائرہ کار کو پورے بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ اس کے علاوہ بنگال تک وسیع کیا گیا چنانچہ آج امارت شرعیہ کے تحت ۵۰ / سے زائد مقامات پر دار القضا قائم ہیں؛ جو تقریبا ایک صدی سے مسلمانوں کے عائلی اور خانگی تنازعات کا تصفیہ بلالحاظ مسلک و مشرب بحسن خوبی انجام دے رہے ہیں۔

نظام قضا اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو امت مسلمہ ہندیہ کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہے اس نے اپنے قیام کے روز اول سے عائلی قوانین کے تحفظ میں اپنا بنیادی رول ادا کیا ہے۔

اور اس کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے پورے ملک میں اصلاح معاشرہ اور دار القضا قائم کرنے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اپنے اجلاس عام ۱۹۸۳ء منعقدہ کلکتہ میں دار القضا کے تعلق سے یہ تجویز منظور کی کہ مظلوموں اور خاص طور سے عورتوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے، ان کو اسلام کے دیئے ہوئے حقوق اور عدل و انصاف دلانے کے لئے بورڈ کا یہ اجلاس دار القضا کے قیام کو ضروری تصور کرتا ہے، اس کے بعد مجلس عاملہ منعقدہ ۱۹۹۳ء بمقام جے پور نے طے کیا کہ مسلمانوں کی عائلی اور سماجی زندگی کو شریعت اسلامی کے طریقہ پر کاربند رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے نزاعات کا تصفیہ اسلامی نظام عدل یعنی نظام قضا کے ذریعہ ہو، اس احساس کے تحت بورڈ کے ذریعہ ملک کے بعض اہم شہروں اور بعض ریاستوں میں دار القضا کا قیام عمل میں آیا اور کامیاب بھی رہا، مجلس عاملہ کا یہ احساس تھا کہ نظام قضا کے قیام اور ان کے ذریعہ عائلی نزاعات کے تصفیہ کو بخوشی ایمان کی بنیاد پر قبول اور نافذ کرنے سے معاشرہ کی ان تمام مشکلات کو دور کیا جاسکتا ہے، جو شریعت اسلامی پر عمل نہیں کرنے سے مسلم معاشرہ میں پیدا ہورہی اور غیروں کے لئے وجہ اعتراض بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ بورڈ کے تقریبا ہر اجلاس میں قیام دار القضا کے تعلق سے جامع لائحہ عمل طے کیا جاتا ہے جس کی روشنی میں آگے کارروائی کی جاتی ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ بورڈ نے اس طرف توجہ فرمائی اور آج بورڈ کے تحت ملک کے مختلف علاقوں میں ۲۹ دار القضاء قائم ہیں جہاں سے مسلمان اپنے مسائل کو قرآن و سنت کے مطابق حل کراتے ہیں اور خدائی قانون کو محض ایمانی طاقت کے ذریعہ اپنے اوپر نافذ کرتے ہیں۔ ان دار القضاؤں میں اب تک ہزاروں مقدمات کے فیصلہ ہو چکے ہیں۔ بعض مقدمات میں ملکی عدالت نے دار القضا کے فیصلہ ہی کو نافذ کیا۔ اس کے علاوہ بعض ایسے مقدمات بھی ہیں جنھیں سول کورٹ نے دار القضا کو ریفر کیا اور وہ یہاں سے فیصل ہوئے۔

بورڈ کی دار القضا کمیٹی

بورڈ نے اس کام کو ملک گیر سطح پر وسعت دینے اور اس مہم میں تیزی لانے کے لیے باضابطہ طور پر اپنے سترہویں اجلاس عام مونگیر منعقدہ ۲۰۰۳ء میں مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی کنوینر شپ میں ایک کل ہند سطح کی کمیٹی تشکیل دی جو ملک بھر میں قیام دار القضا کو فروغ دینے کے لیے لائحہ عمل تیار کرتی ہے اور حسب ضرورت اہم علاقوں اور شہروں کا دورہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بورڈ سے مربوط سارے دار القضاؤں کا جائزہ اور نگرانی بھی کرتی ہے؛ اور وقتا فوقتا ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ رپورٹ طلب کرتی رہتی ہے۔ اس کے لیے کمیٹی کی حسب ضرورت میٹنگ منعقد ہوتی ہے۔ میٹنگ میں سال رواں میں دار القضا سے متعلق کی گئی پیش رفت پر مفصل گفتگو ہوتی ہے اور پھر اسی کے مطابق آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہے۔

قضاۃ کے لئے تربیتی کیمپ کا انعقاد

اس کمیٹی کے مقاصد میں قضاۃ کی تربیت اور انھیں زمانے کے حالات سے آگاہ کرنا بھی ہے چنانچہ اس مقصد کی خاطر یہ کمیٹی تربیتی کیمپ منعقد کرتی رہتی ہے۔ جس میں ملک کے سینئر قضاۃ کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ان کیمپوں کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ کار قضا کو انجام دینے والے حضرات کام کی رپورٹ، کام کے دوران پیش آنے والی دشواریاں

پیش کریں اور پھر باہمی تبادلہ خیال سے تمام مشکلات کا حل تلاش کر سکیں اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

بورڈ نے اپنی منزل کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے نظام دارالقضا کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ۲۰۱۲ء سے ایک آرگنائزر کا تقرر کیا ہے جس کے ذمہ نظام دارالقضا کو فروغ دینا، بورڈ سے مربوط دارالقضاؤں کا معائنہ کرنا، ان کی کارکردگی کی جانچ پڑتال کرنا اور جہاں سے دارالقضا کے قیام کے لیے درخواست آتی ہے وہاں جا کر حالات کا جائزہ لینا ہے۔ اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ بورڈ سے مربوط جملہ دارالقضاؤں ایک ہی نہج چلے اور ملک کے کونے کونے میں دارالقضا قائم کر کے اسلام کا نظام عدل نافذ ہو۔

طریقہ کار برائے قیام دارالقضا

جس علاقہ میں دارالقضا قائم نہیں ہے اور وہاں کے مسلمان دارالقضا قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک درخواست پیش کریں اور اس کی نقل کنوینر کمیٹی اور بورڈ کے مرکزی دفتر دہلی کے ساتھ ساتھ حضرت جنرل سکریٹری کو لازماً بھیجی جائے جس میں جگہ کی وضاحت، مسلم آبادی اور عمائدین ومقامی علمائے کرام کے تائیدی دستخط ہوں۔ اس کے بعد صدر محترم کی ہدایت پر دارالقضا کمیٹی اپنے کسی نمائندہ کے ذریعہ جائزہ لیتی ہے کہ کیا اس مقام پر دارالقضا کا قیام مناسب اور مفید ہے؟ اور کیا مقامی حضرات دارالقضا کے مالی اور انتظامی ضروریات پورا کرنے کے لیے آمادہ ہیں؟ اس کے بعد قیام دارالقضا کے سلسلے میں ضروری اقدامات کئے جاتے ہیں۔

تعاون کی ضرورت

بہرحال ضرورت اس بات کی ہے مسلمانان ہند نظام قضا کو فروغ دینے اور اس کام کو مستحکم کرنے میں بورڈ کا ہر طرح سے تعاون کریں، ائمہ مساجد اور علماء کرام اپنے خطابات میں اس کو اپنا موضوع بنائیں۔ بورڈ کے پیغام اور اس کی خدمات کو عام کریں۔ اپنے نزاعات کا تصفیہ قریبی دارالقضا سے کرائیں اس سے جہاں دینی فریضہ کی ادائیگی ہوگی وہیں مسلمان کثیر اخراجات اور طویل مدت کے جھمیلوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں گے۔

❁❁❁

بقیہ: اقلیتوں کے حقوق

اور اس زبان کے تعلق سے جو رویہ حکومتوں کا رہا ہے اس کے لئے حق تلفی اور ظلم کے الفاظ بھی ہلکے معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں کی عوامی خدمات اور سرکاری ملازمتوں میں نمائندگی کی بات آتی ہے تو انگریزی کا یہ محاورہ منطبق ہوتا ہے کہ مسلمان (LAST TO BE HIRED, FIRST TO BE FIRED) شہری ہے جسٹس راجندر سچر کمیٹی کی رپورٹ سے کئی حقیقتیں سامنے آئی ہیں۔ ریزرویشن کی بات نکلتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ دستور میں مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ دستور کی تدوین کے وقت دستور ساز اسمبلی میں سکھوں کے نمائندہ سردار اجل سنگھ نے اقلیتوں کے لئے ریزرویشن کی تجویز پیش کی تھی جس کو منظور کر لیا گیا۔ مگر بعد میں لفظ مائنارٹیز، کو بیاک ورڈ کلاس، سے بدل دیا گیا اور اس دفعہ کی دستور ساز اسمبلی میں یہ وضاحت کی گئی کہ لفظ کی اس تبدیلی سے اقلیتیں ریزرویشن کے حق سے محروم نہیں ہوں گی۔ آج ریزرویشن کی اس تاریخ کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ آجکل مسلمانوں پر سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کو دہشت گرد قرار دے کر مصائب میں مبتلا کرنے اور ان کے خلاف ہندو برادران وطن میں نفرت کو ابھارنے کی سازش کارفرما ہے کہیں کوئی دھماکہ ہوتا ہے یا پٹاخہ پھٹتا ہے تو فوری ہی مسلمانوں کی طرف انگلی اٹھادی جاتی ہے جس کے بعد ان کی بے تحاشا گرفتاریوں اور ان کو ٹارچر کرنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ ان گرفتاریوں سے پہلے کسی نوعیت کی شہادت پولیس کے پاس نہیں ہوتی اور سپریم کورٹ نے گرفتاریوں کے لئے جو اصول وضوابط بنائے ہیں، ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس طرح کا دردناک ٹارچر کیا جاتا ہے کہ اس کے بیان ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دہشت گردی کے جھوٹے الزام کے تحت مسلمانوں کی دار و گیر پر پوری کتاب مرتب ہوسکتی ہے، اس لئے میں اس مختصر تبصرہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ بھی یاد رہے کہ بین الاقوامی میثاقات کے تحت ٹارچر ممنوع ہے۔

الحاصل یہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو دستوری اور قانونی اعتبار سے وہ حقوق حاصل ہیں جو ان کی باعزت، پروقار اور عمدہ زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ لیکن ان حقوق کی عملی صورت گری کے لئے رواداری، بقائے باہم اور عدل وانصاف کا ماحول نہیں بنایا گیا جس کے نتیجہ میں اقلیتیں اور بالخصوص مسلم اقلیت، خوف کے سایہ میں زندگی گزار رہی ہے۔

❁❁❁

مغرب کی نقالی میں، خاندانی نظام تباہ ہو جائے گا

مہاراشٹرا کا مجوزہ قانون واپس لیا جائے

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

ہندوستان کی یو۔ایس۔اے (امریکہ) سے قربت کے نتیجہ میں ملک کی مختلف پالیسیوں میں تبدیلی آتی جارہی ہے جو ملک کے مفاد میں نہیں ہے لیکن اس وقت مقصد ان پالیسیوں میں تبدیلی کے نقصانات کا جائزہ لینا نہیں ہے اور نہ قانون سازی میں امریکی نظریات اور اصطلاحات کا، ہندوستان کی معاشرتی صورتحال کو نظرانداز کرتے ہوئے استعمال کرنے کے رجحان کا جائزہ مقصود ہے جس کی واضح مثال اطفال کے لازمی اور مفت تعلیم کے حق کا قانون (RTE) ہے۔ یہاں ہم ان قوانین سے پہنچنے والے نقصانات کی نشاندہی کریں گے جو مغربی اور بالخصوص امریکی معاشروں کی اندھی نقالی ہیں عائلی امور (خاندانی معاملات FAMILY AFFAIRS) کے بارے میں بنائے جارہے ہیں۔ مغرب کے زیر اثر تنظیم اقوام متحدہ کے عالمی ادارے بھی مغربی غیر اخلاقی اور خاندان کی برقراری کے لئے تباہ کن نظریات کی اشاعت کررہے ہیں اور ارکان ممالک پر ان ہی خطوط پر قوانین بنانے پر زور دے رہے ہیں اس کی بدترین مثال قاہرہ (مصر) اور بیجنگ (چین) کی کانفرنسیں ہیں جن میں یہ اعلان کیا گیا کہ عورت اپنے جسم کی آپ مالک و مختار ہے۔ یہ اعلان فحاشی اور جسم فروشی کی ہمت افزائی اور ان غیر اخلاقی حرکات کو جواز فراہم کرنے کی کوشش ہے۔ طوائف کے لئے (SEX WORKER) سیکس ورکر کا خوش نما لفظ ایجاد کیا گیا ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں گھریلو تشدد (DOMESTIC VIOLENCE) کے انسداد کا قانون، تنظیم اقوام متحدہ کے ایک ادارے کی قرارداد کی روشنی میں بنایا گیا۔ قانون فوجداری میں ترمیم کرکے دفعہ ۴۹۸۔اے (SEC-498A-Cr.P.C) کا اضافہ کیا گیا۔ ان قوانین کو عورت کو معاشرہ میں مستحقہ مقام دلانے اور ان پر ہو رہے مظالم کی روک تھام کی سمت اہم اقدامات قرار دیا گیا کہ اب عورت، مرد کے ظلم کو برداشت نہیں کرے گی اور ظلم کرنے والا مرد قانون کی نظر میں مجرم ہوگا۔ ان قوانین نے ہزار ہا ہزار خاندانوں کو درہم برہم کردیا، یہ گھر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے پولیس کو بھی اپنی جیبیں گرم کرنے کے نئے مواقع ہاتھ آگئے۔ ان خاندانوں میں پیدا ہوئے بچے اپنے باپ یا اپنی ماں کے پیار سے محروم ہوگئے اور محرومی کا یہ احساس آگے چل کر بڑی نفسیاتی الجھنیں پیدا کرسکتا ہے۔ اس طرح کے قوانین کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ ہر خاندانی نزاع اور گھریلو جھگڑے میں ہمیشہ مرد ہی ظالم اور عورت ہی مظلوم ہوئی ہے یہ مفروضہ کسی تحقیقی جائزے اور مطالعہ پر مبنی نہیں ہے۔ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ بیشتر صورتوں میں زیادتی مرد کی طرف سے ہوتی ہے لیکن ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جن میں زیادتی عورت کی ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ عورت کے مظلوم ہونے کا مفروضہ غلط ہے اور حقائق پر مبنی نہیں ہے۔

مہاراشٹرا میں ایک نئے قانون کی کوشش:

طلاق کے طریقہ کو آسان بنانے اور مطلقہ کو بے سہارا نہ چھوڑنے کے بظاہر مقاصد کے تحت مہاراشٹرا کی حکومت نے ایک مسودہ قانون مرتب کیا ہے، جس کی رو سے مطلقہ کو طلاق کے نتیجہ میں اپنے سابقہ شوہر کی جائیداد کا آدھا حصہ مل جائے گا۔ اس مسودہ قانون کو حکومت مہاراشٹرا نے مرکزی

حکومت کو روانہ کیا اور مرکزی کابینہ نے اس کو منظوری دیدی۔اس سے اس بات کا امکان بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہی قانون مرکزی حکومت پارلیمنٹ سے بنوانے کی کوشش کرے۔مہاراشٹرا میں یہ مسودہ قانون اسمبلی میں بحث ومنظوری کے لئے پیش نہیں ہوا کیونکہ ایک مسلم وزیر جناب عارف نسیم صاحب نے اس کی مخالفت کی۔ہم ان کی جرأت کو داد دیتے ہیں کیونکہ وزارت کی کرسی تک پہنچے والے مسلمان عموماً ضمیر فروش ہوتے ہیں اور ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی جبکہ کسی مسلم وزیر نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا او راپنی حکومت کے کسی اقدام کی کھل کر مخالفت کی ہو۔ہندوستان کی تاریخ کے بدترین واقعہ، بابری مسجد کے انہدام کے سانحہ پر کسی مرکزی مسلم وزیر یا کسی ریاستی وزیر کو مرکزی حکومت اور خصوصاً وزیراعظم پی۔وی نرسہاراؤ کی وعدہ خلافی اور مسجد کے تحفظ میں ناکامی پر ان کی مذمت کرنے کی توفیق نہیں ہوئی استعفیٰ دینا تو دور کی بات ہے۔یہ مسودہ قانون، مسلم پرسنل لا میں کھلی مداخلت تو ہے ہی لیکن اس سے ملک کے دیگر مذہبی طبقات بالخصوص ہندو اکثریت بھی متاثر ہوگی۔اس کے خلاف سب کو آواز اٹھانا چاہئے۔

طلاق کا معاملہ:

عیسائیوں اور خصوصاً رومن کیتھولکس میں طلاق کا تصور ہی نہیں تھا کیونکہ ان کے عقیدے کے لحاظ سے جوڑے آسمان میں بنتے ہیں ان کو زمین پر توڑنا نہیں چاہیے۔لیکن جب محسوس ہوا کہ ایسی صورتحال میں جب کہ عورت اور مرد کا بحیثیت بیوی وشوہر مل کر رہنا بہت دشوار ہوجائے قانوناً طلاق کی گنجائش نکالی گئی۔اب تو یہ ہونے لگا کہ محض اس وجہ سے کہ مرد نیند میں زور سے خراٹے لیتا ہے عورت عدالت سے طلاق حاصل کرلیتی ہے۔ہمارے ملک کی اکثریت کا جہاں تک تعلق ہے ان کے دھرم شاستروں کے قانون میں طلاق یا شوہر، بیوی میں علیحدگی کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کیوں کہ دونوں کا پچھلے جنموں میں ساتھ تھا اور اگلے جنموں میں بھی رہے گا۔لیکن ہندوستان کے قانون سازوں نے ناگزیر صورتحال میں دونوں کے درمیان علیحدگی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کو ہندو قانون میں داخل کیا۔لیکن ہندو ذہن ومزاج میں طلاق یا علیحدگی سے شدید نفرت کا جذبہ موجود ہے جو طلاق دینے والے کو مجرم گردانتے ہوئے اس کو سزا کا مستحق سمجھتا ہے۔مسلم مطلقہ کے نفقہ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلوں،شاہ بانو کیس، دانیال لطیفی کیس، شبانہ بانو کیس وغیرہ کے فیصلوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ طلاق دینے والے مسلمان کو مالی سزا دی جائے اور اس کو دوسری شادی کرنے کے قابل نہ رکھا جائے۔جہاں تک اسلام کا تعلق ہے طلاق کی اجازت ہے، مرد کو یہ حق حاصل ہے، عورت کو بھی خلع یا فسخ کے ذریعہ علیحدگی اختیار کرنے کی اجازت ہے لیکن یہ اسی وقت ہو جبکہ ساتھ مل کر رہنا دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن ہوجائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا کہ جائز (مباح) امور میں طلاق اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، قرآن کریم میں شوہر اور بیوی کے درمیان اختلافات شدید ہونے (شقاق) کی صورت میں یہ معاشرے کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے دونوں کے بزرگوں کے ذریعہ ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔اسلام کا تصور یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں خوشدلی کے ساتھ مل کر رہیں، معمولی نوعیت کے اختلافات کو برداشت کریں صرف اس صورت میں جبکہ ساتھ رہنا ناممکن ہوجائے تب علیحدگی کے اقدامات کئے جائیں۔موجودہ ہندوستانی مسلم معاشرہ میں اس اسلامی تصور کی کیفیت نظر نہیں آتی اور ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جبکہ معمولی سے اختلاف پر، کسی واقعہ پر غصہ میں، نشہ کی حالت میں طلاق، طلاق طلاق کہہ دیا جاتا ہے اور مخالفین کو مسلم معاشرہ پر انگلی اٹھانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ایک اور پہلو بھی ہے کہ اسلام میں طلاق یافتگی کوئی عیب نہیں رہی ہے اور طلاق یافتہ خاتون کو دوسرے نکاح میں نہ دشواری ہوئی نہ دیر ہوئی لیکن ہندوستان کی ہندو تہذیب کے زیر اثر طلاق یافتگی کو عیب سمجھا جاتا ہے اور طلاق یافتہ خاتون کو اپنا دوسرا گھر بسانے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ ان مسائل پر علمائے کرام، قائدین اور واعظین کو توجہ دینا چاہئے کہ ہندوستانی مسلم معاشرے میں طلاق کی شرح کم ہو اور طلاق یافتہ کو دوسرا گھر بسانا دشوار نہ ہو۔ہندوستانی مسلم معاشرے پر ان ریمارکس کے باوجود میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں میں طلاق کے بارے میں مبالغہ کیا جاتا ہے کہ جیسے ہر عورت، طلاق کی تلوار کے

نیچے ڈری سہمی ہوئی ہے اور جیسے طلاق دینا عام معمول ہو۔ یہ تصویر غلط ہے۔ اگر مسلمانوں میں طلاق کی شرح کا ہندوؤں میں اپنی عورتوں کو چھوڑے رکھنے(DESERTION) کی شرح سے تقابل کیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی کہ مسلمانوں میں طلاق کا معاملہ ایسا شدید اور سنگین مسئلہ نہیں جیسا کہ پیش کیا جاتا ہے۔

خاندانی نظام کا استحکام:

اصل مسئلہ خاندان کا استحکام ہے، معاشرہ کی عمارت خاندان کی اینٹوں سے بنتی ہے۔ خاندان مستحکم ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہوگا خاندان ٹوٹ جائیں اور خاندانی نظام بکھر جائے تو معاشرہ بے جان اور کمزور ہوجائے گا اور جلد یا بدیر ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ انسانی تاریخ میں جو قومیں کبھی عروج کی طرف گامزن تھیں اور بعد میں ان کا نام ونشان مٹ گیا یا امتیازی شان سے محروم ہوکر رہ گئیں۔ ان کے سقوط اور زوال کے اسباب میں دیگر اسباب کے علاوہ خاندان کے استحکام کا ٹوٹنا اور رشتوں کا بے معنیٰ ہوجانا بھی ملے گا ،خاندان وہ اینٹ ہے جو معاشرہ کی مضبوطی کی ضمانت دیتی ہے اسلام میں شوہر اور بیوی کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں استحکام خاندان سے جڑی ہوئی ہیں۔ اور اس زاویہ نظر سے ان دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق اور ذمہ داریوں کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوگا یہ انصاف اور عدل کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

مغرب نے شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا حریف بنادیا اور صورتحال یہ ہوگئی کہ ان کے درمیان حقوق کی کشمکش شروع ہوگئی اور دونوں کے انفرادی حقوق کو خاندانی نظام سے مربوط نہ کرنے کی وجہ سے ہر ایک اپنے حقوق کی بالادستی کی کشمکش میں مبتلا ہوگئے جس کے نتیجہ میں خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ گیا اور ٹوٹتا جارہا ہے۔

مغربی تہذیب زوال کی طرف گامزن:

حقوق کی اس کشمکش میں مغربی تہذیبوں اور ان کی نمائندہ امریکی تہذیب میں ایسی مالی ذمہ داریاں عائد کی گئیں اور ایسی شرائط عائد کی جارہی ہیں کہ شادی کرنے کے خیال ہی سے لوگ ڈرنے لگے ہیں اور بغیر شادی بیاہ کے ساتھ مل کر رہنے(LIVING TOGETHER) کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔

امریکہ اور یورپ میں تو عرصہ ہوا کہ عصمت اور پاکبازی کا تصور ختم ہوگیا، اس کی کوئی قدر نہیں رہی۔ عصمت (CHASTITY) بے معنی ہوگئی مگر اس کے باوجود (۲۵) برس پہلے تک یہ تھا کہ جنسی تعلق کے نتیجہ میں حمل ٹھہرتے ہی لڑکی اپنے بوائے فرینڈ کو شادی کرنے پر مجبور کرنے لگتی کہ اس حمل سے پیدا ہونے والی اولاد کو لوگ ناجائز اور حرامی قرار نہ دیں۔ حمل شادیوں کا باعث بنتا لیکن ہونے یہ لگا کہ لڑکے دوسری کی طرف مائل ہوکر شادی سے انکار کرنے لگے لڑکی کے لئے کوئی چارہ نہ رہا کہ ''بن باپ'' کی اولاد کو پیدا کرے۔ ایسی لڑکیوں کے لئے معاشی مسائل بھی پیدا ہوے، ان کی مدد کو فوری حکومتیں پہنچیں اور سوشیل ویلفیئر کے نام سے رقمی امداد اتنی مقدار میں فراہم کرنے لگیں کہ ماں اور بیٹا یا بیٹی دونوں کی اچھی گزر اوقات ہوسکے (اب عوام سوشیل ویلفیئر کی وجہ سے ٹیکس کے بوجھ کو ناقابل برداشت قرار دے کر اس کو ختم کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں) ایسی خواتین کے لئے ''اکیلی ماں'' (SINGLE MOTHER) کی اصطلاح چل نکلی۔ حمل کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے شادی کے بندھن میں بندھ جانے والے لڑکوں کا معاملہ یہ ہونے لگا کہ دوسری سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس بندھن کو توڑنے لگے۔ اس صورتحال پر قابو پانے کے لئے حکومتوں نے ایسے قوانین بنانے شروع کئے کہ جس سے اس بندھن سے نکلنا دشوار اور مالی اعتبار سے بڑا اخر چیلا ہوجائے۔ اس الجھن کو دور کرنے کے لئے عصمت وعفت اور شادی کے تقدس سے محروم مغربی معاشروں نے یہ راستہ نکالا کہ شادی کئے بغیر ساتھ رہیں جب تک من چاہے۔ اس کے لئے ''مل کر رہنا'' (LIVING TOGETHER) اصطلاح وجود میں آئی۔ اور اس تعلق اور ربط میں کوئی قانونی ذمہ داری (COMMITMENT) نہیں رہی۔ اس کے باوجود، بن بیاہی لڑکی یا عورت سے ہونے والے بچوں کو گو پہلے کی طرح ''ناجائز'' یا حرامی قرار دے کر حقارت سے نہیں دیکھا جانے لگا پھر بھی بیاہ کے بعد پیدا ہونے والوں کا

جو مقام ہے وہ انھیں نہیں مل سکا اور آج بھی ''روشن خیال دنیا'' امریکہ میں ان بیاہی عورتوں کی اولاد کو نظر کم سے ہی دیکھا جاتا ہے۔

جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے قانونی حقوق کو سخت بنانے اور آزادانہ اختلاط کے معاشرے میں علیحدگی کو مرد کے لئے بھاری مالی بوجھ بنانے کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ شادی نہ کرنے کا رجحان عام ہوگیا ۔تیس (۳۰) سال سے کم عمر کی امریکی خواتین ہیں ''بے بیاہ پیدائش'' (BIRTHS OUT SIDE MARRIAGE) کا تناسب کل تعداد کی نصف سے زیادہ ۵۳ فیصد ہے۔ ایسی پیدائش کا اثر ان بچوں کے مستقبل پر پڑرہا ہے تحقیق کنندگان (ریسرچرس) نے مسلسل یہ بات پائی ہے کہ ''بیاہ'' کے رشتہ سے باہر پیدا ہونے والے بچوں کو غربت، اسکولوں میں ناکامی اور نفسیاتی مسائل کے خطرات لاحق ہوتے ہیں (میڈیا اسکان، مارچ ۲۰۱۲ء) یہ مغربی تہذیب اور معاشرہ کے زوال کے آغاز کی علامت ہے کہ یہ تہذیب اور معاشرہ نصف صدی میں یا زیادہ سے زیادہ ایک صدی سے کم عرصہ میں اس مقام سے محروم ہوجائے گی جو اس کو عالمی برادری میں آج حاصل ہے۔

کیا ہندوستان کے سیاست داں، قانون ساز اور پالیسی بنانے والے ہندوستان کو بن بیاہے رشتہ سے پیدا ہونے والوں، عوامی محاورے میں حرامیوں اور حرام زادوں کا ملک بنانا چاہتے ہیں اور یوں اس ملک کو جو ترقی کی راہ پر چل پڑا ہے اتنی جلد زوال آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جو چاہیں مگر ہندوستان کے عوام، چاہے ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو وہ ایسا نہیں چاہیں گے کہ ہندوستان حرامیوں کا ملک بن جائے۔

نباہ، بیاہ کی مضبوطی کا ضامن:

انسانی خاندان میں ہم آہنگی، سکون اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے باہمی اعتماد، ایک دوسرے سے پیار، رشتوں کے احترام اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے جذبہ سے جس کے لئے بہترین لفظ ''نباہنا'' ہے دو انسانوں کے، مرد ہو کہ عورت، مزاج میں، غور وفکر کے انداز میں، احساسات وجذبات کی نوعیت اور انداز میں فرق ہوتا ہے اور یہی فرق اختلاف کا باعث ہوتا ہے۔ یہ فرق فطری ہے اس کو برداشت کرنے اور تحمل کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنے سے ''پھوٹ'' بڑھتی نہیں، خاندان ٹوٹتا نہیں ہے جو قوانین عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کو سہارا دینے کے عنوان سے بنائے گئے ہیں چاہے وہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۹۸۔اے ہو یا گھریلو تشدد کے انسداد کا قانون، یہ قوانین نباہنے کے ہندوستانی مزاج کو ختم کررہے ہیں اور اس کی بجائے انتقام کے جذبہ کو پیدا کررہے ہیں۔ ''اپنے حق'' کا احساس ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور چھوٹی موٹی ناخوشگوار باتوں کو نظر انداز کے رجحان کو ختم کرتا ہے، انتقام کی آگ بھڑکنے سے ہو یہ رہا ہے کہ غصہ سے بھری خواتین اور ان کے رشتہ دار، مرد کے علاوہ اس کی رشتہ دار خواتین کو بالخصوص نشانہ بنا کر ان کو پولیس حوالات میں پہنچانے پر مائل ہوتے ہیں اور اس سے مفاہمت کا اگر کوئی امکان ہوتا ہے تو ختم ہوجاتا ہے۔ ضرورت ان قوانین کی نہیں، برداشت وتحمل اور ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرنے جذبات کو پروان چڑھانے کی ہے، جس پر کوئی توجہ نہیں دی جارہی ہے۔ اس کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ حکومت پر مذہبی طبقات کو ایسے ادارے قائم کرنے دے جو ان حالات میں مفاہمت کے ذریعہ رشتوں کو جوڑے رکھنے کا کام انجام دیں۔ آج کل اس کے لئے کونسلنگ کا لفظ استعمال کیا جارہا ہے ۔مسلمانوں کو بھی دار القضا کے ساتھ ساتھ کونسلنگ کا ادارہ قائم کرنا چاہئے یا دار القضا ہی کو ''قضا'' سے پہلے کونسلنگ کی کوشش کا مشورہ دینا چاہئے۔

بہرحال جس قانون کی تجویز مہاراشٹرا کی حکومت نے رکھی ہے، اس کی مخالفت تو ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے ضرور ہوگی کہ یہ مسلم پرسنل لا کے خلاف ہے لیکن ملک کے دیگر مذہبی طبقات بالخصوص ہندو اکثریت سوچے کہ کیا یہ ان کے مذہبی اقدار کے خلاف اور ملک کے مفادات کے خلاف نہیں ہے؟ ضرور ہے اس لئے اگر حکومت کی طرف سے اس قانون کے مسودہ کو منظور کروانے کی کوشش ہوتی ہے تو ہندوستان کے تمام مذہبی طبقات کو اس کے خلاف آواز بلند کرنا اور مل کر جدوجہد کرنا چاہئے۔

مسلم پرسنل لا سے ہم کسی حال میں دستبردار نہیں ہو سکتے

(خطبہ صدارت: مسلم پرسنل لا کنونشن ۱۹۷۲ء ممبئی سے ماخوذ)

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق صدر بورڈ)

ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے لیکن اس دور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے مختلف مکاتب فکر کے علماء دانشور اور رہنما وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطہ وحدت پر جمع ہیں۔ اس کی روشنی میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید و رسالت اور جذبہ وحدت کی جو امانت امت کو سپرد کی گئی تھی ہم اس کی حفاظت کے فریضہ کو فرض کی طرح ادا کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ بلا شبہ یہ امانت ہمیں جان و مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنی جانوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

یہی وہ روشنی اور رہنمائی ہے جس نے صدیوں کے خلاء کو پر کر کے ہمیں ایمانی عزیمت عطاء کی ہے اور ہم لوگوں کو جو ٹکڑے ٹکڑے تھے، آج کے دن ایک جسم واحد کی طرح ایک جگہ جمع کر دیا اور ایک بار پھر اپنی شریعت اور اس کے مسائل کی حفاظت کے لئے اس مقام پر کھڑے ہونے کی ہمت بخشی۔

بلا شبہ جس طرح آج کا یہ اجتماع عظیم ہے اس طرح یہ دن بھی ایک عظیم بلکہ عظیم تر دن ہے جس میں بظاہر ایک ناممکن سی بات نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بن کر سامنے آ گئی ہے۔ اور **واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا** کا پاکیزہ منظر آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔

آج پرسنل لا کے نام پر ان تبدیلیوں کا مواد بنام اصلاح و ترمیم پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا حقیقتاً یہ اصلاح اور کوئی اصلاحی تحریک ہے؟ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے، جسے قرن اول کے منافقین **انما نحن مصلحون** کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے، لیکن عالم الغیب والشہادہ نے کھلا اعلان فرما دیا تھا **الا انهم هم المفسدون ولكن لا يعلمون**

ہم اپنے دین و دانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے۔ بلکہ دور بین سے دیکھئے یا خورد بین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے، جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے، سو یہ آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔

ہندوستان کا دستور، مذہب اور سیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملے میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹوں اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حکومت کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں؟

مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کا کتنا دیوث ہے، جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائط عدل و دیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا ہے اور اس غلاظت پر ان مظلوم قسمت کی ماری بازار گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی دار و گیر کا روادار ہے، سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں۔

لیکن اسلام نے سماج کے اس وحشی دستور کے خلاف سو سو بیویاں رکھنے کے قانون کو محدود کر کے اگر چار کی گنجائش دی اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ اور اسی بے قید غلاظت سے سماج کو پاک رکھنے کے لئے تو مصلحین کی ٹولیاں قانون کے پشتارے لے کر دوڑ پڑیں، جس ملک میں راتوں کے کلب ہوں، مادر وطن کی بیٹیوں کے بدن سے عصمت و عفت کا لباس رات بھر تار تار کیا جا رہا ہو اور خدا کے غضب سے حکومت اور سماج بے نیاز ہو، ایسے ملک کے چند ایسے سرپھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود تو شرمانا چاہئے تھا جنہیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔ ان میں اسلام کی فطری اور اعلیٰ و ارفع قانون عصمت

پر حرف زنی کرنے کی ہمت آخر کہاں سے پیدا ہوئی؟ بے شمار بچوں کی تعداد پر تو پابندیاں عائد کی جائیں مگر بے شمار غلیظ گناہوں پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی جذبہ نہ ابھرے، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں، کہیں بھی ہوں اور کتنے ہی شرمناک انداز میں ہوں۔

اس لئے اسلام نے توحید کو محض شرعیات ہی کی حد تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عالم خلق میں بھی ایک ایک فعل، ایک ایک قول اور ایک ایک نیت اور ایک ایک ظاہری ہیئت تک وسیع کر کے توحید عملی کا مستقل نظام قائم کیا ہے، تاکہ زندگی کے ہر ہر موڑ پر اور اس کی ایک ایک نقل وحرکت پر بندہ اپنے خدائے واحد کی طرف رجوع رکھے اور شرک کی آلائشوں سے ملوث نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین خدائی آئین وقوانین کے مجموعے کا نام ہے جو بندوں کی ہدایت ورہنمائی اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح کے لئے، بتوسط انبیاء معصومین بھیجا جاتا ہے۔ اسلام اسی دین کا اور آخری مکمل نقشہ یا بعنوان ودیگر تمام زندگی کے ہر ہر گوشے کے لئے دستور فکر وعمل بنا کر اتارا گیا ہے، جس میں جزئی احکام بھی ہیں اور اصول کلیات بھی، علل احکام بھی ہیں اور مصالح واسرار احکام بھی، ہر حکم کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور ہر علت کسی نہ کسی حکمت پر مشتمل، ہر جزئی کسی نہ کسی فطری کلی کے نیچے آئی ہوئی ہے، اور ہر کلی اپنے وسیع دامن میں ہزار ہا فطری جزئیات کا ذخیرہ لئے ہوئے، اس لئے دین ایک منظم اور منضبط ضابطۂ حیات کی صورت سے ہے، جس کی تمام جزئیات کلیات کی طرف سمٹتی گئی ہیں، اور کلیات، جزئیات کی طرف پھیلتی گئی ہیں، اور آخر کار یہ ساری کلیات، اپنی جزئیات سمیت، ایک ہی کلی الکلیات یعنی ''علم الٰہی'' سے وابستہ ہوگئی ہے۔

اندریں صورت ان چار اصولوں میں سے کسی ایک کو بھی غیر شریعت کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔ اور جو حصہ اجتہادی فرعیات کا ہے، خواہ وہ کسی بھی فرقہ کا ہو، وہ جب کہ اس کے علم ویقین کے مطابق، کسی نہ کسی قرآنی یا حدیثی کلیہ سے یا کسی جزئی حکم کی علت جامعہ سے، بتوسط اجتہاد نکلا ہوا ہے، تو کتاب وسنت ہی میں سے نکلا ہوا، اس کا جزو ہوگا۔ جس سے واضح ہے کہ مجتہد کا فعل صرف استخراج واستنباط مسائل ہے، ایجاد مسائل نہیں، مخفی مسئلہ کا بتانا ہے، بنانا نہیں۔ اندریں صورت کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر شریعت کہا جائے، اور اسے شرعی حجت نہ مانا جائے۔

اسی لئے ہم نہ صرف مسلمانوں، بلکہ اس ملک کے عظیم رہنماؤں اور دانشور حکام سے یہ کہتے ہیں اور بڑے خلوص سے کہتے ہیں، کہ ہم یکساں ''سول کوڈ'' کے منصوبے کو مسترد کر کے، اپنے اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں، کہ ''مسلم پرسنل لا'' میں پارلیمنٹ کے ذریعہ سے ہو، یا حکومت کے راستے سے، یا کسی اسمبلی کی سفارش سے، کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ اسلام کا قانون فطرت الٰہی پر قائم ہے اور وہ ناممکن التبدیل ہے۔ '**فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله** (اللہ کی فطرت ہے، جس پر اس نے انسانوں کو بنایا۔ خدا کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی ہے سیدھا دین، لیکن انسانوں کی اکثریت، اس سے جاہل اور ناواقف ہے۔)

اس لئے مذہب اور بالخصوص اسلام کو آدمی کا کوئی نجی اور پرائیویٹ معاملہ کہنا پورے اسلام کا تاروپود بکھیر دینا ہے، جسے اسلام قبول نہیں کرسکتا۔ اگر یہ نام نہاد مصلحین یہ کہنے کی جرأت نہ کرسکتے ہوں، کہ ہندوستان کا قانون آدمی کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس میں جس کا جو جی چاہے، تغیر وتبدل کرسکتا ہے، تو دین اور خدا کے قانون کے بارے میں انہیں یہ جرأت کیوں ہے۔

آج پرسنل لا پر وہی وقت پھر گزر رہا ہے، جو سو برس میں بارہا گزرا اور وہی علماء اس سلسلہ میں پھر کھڑے ہوئے ہیں، جو پہلے سے مدافعت کرتے چلے آرہے ہیں، نیز آج بھی وہی مسلم کہلانے والے چند لوگ اس کی ترمیم کے نعرے لئے ہوئے کھڑے ہیں، جن کا پرانا روگ ایک ہی تھا، اور وہ شرعی مسائل کو لادینی فکر، معاشی یا سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا اور سوچنا اور اسی خاکہ پر قانون شرعی کو ڈھالنے کی سعی کرنا، درآں حالیکہ وہ ان مسائل اور ان کی حقیقی بنیادوں سے نہ قطعاً واقف ہیں اور نہ ہی ان کے سمجھنے کے ذوق سے آشنا ہیں۔

اس عظیم اجتماع سے جس میں ہر مکتب کے فضلاء جمع ہیں یہ توقع بجا طور پر قائم کی جاسکتی ہے وہ پرسنل لا کو عملاً جاری کردینے کے لئے کوئی راہ عمل متعین کر کے اس کی داغ بیل ڈال دے۔ آخر کلام میں اس گذارش پر اس طولانی دفتر کو ختم کرتا ہوں کہ اس نام پر تمام مکاتب فکر کے ذمہ دار نمائندے متفقہ طریقے پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم پرسنل لا سے کسی حالت میں بھی دستبردار نہیں ہوسکتے، ہم اس کی ترمیم وتبدیلی کبھی گوارا نہیں کرسکتے، اور ہم کسی ایسے مشترک قانون کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتے جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو۔ ۞۞۞

مسلم پرسنل لا کو سمجھئے اور اس پر عمل کیجئے

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ (سابق جنرل سکریٹری بورڈ)

مجھے اس وقت نہ مسلم پرسنل لا کی تاریخ بیان کرنی ہے، نہ اس کے آئینی اور قانونی پس منظر کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے نہ اس سے بحث کرنی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ کا حق کسی آئین ساز جماعت یا پارلیمنٹ کو ہے یا نہیں؟ اور نہ اس راز کو فاش کرنا ہے کہ دوسرے ممالک، جنہیں مسلم ممالک کہا جاتا ہے، نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلیاں کی ہیں یا نہیں؟ بلکہ مجھے اس وقت بہت صاف اور سادہ طریقے پر مسلم پرسنل لا سے متعلق چند وہ باتیں بتلانی ہیں جن سے مسلم معاشرہ کی واقفیت ضروری ہے اور جن کی واقفیت مسلمانوں کو ضرور ہونی چاہئے۔

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

اتنی بات تو سبھی جانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے جس میں زندگی کے ہر دور اور ہر گوشہ کیلئے احکام و قوانین اور ہدایتیں موجود ہیں، انہیں اسلامی قوانین کا وہ حصہ جس کا تعلق انسان کی ذاتی اور شخصی زندگی سے ہے یا جس کا تعلق مسلمانوں کی عائلی اور خاندانی زندگی سے ہے اسی کا نام ''مسلم پرسنل لا'' ہے۔ میاں و بیوی، باپ و بیٹا، ماں و بیٹی، بھائی و بہن، چچا و بھتیجا خاندان کے ان سارے لوگوں کے تعلقات سے متعلق جو اسلامی قانون ہے اور نکاح و طلاق، فسخ و خلع، حضانت و ولایت، ہبہ و وصیت اور وقف سے متعلق جو اسلامی قوانین ہیں وہ مسلم پرسنل لا کہلاتے ہیں۔

ان سارے عنوانات و ابواب سے متعلق مسلمانوں کے پاس اس کی بھیجی ہوئی ہدایت قرآن میں موجود ہے، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام سنت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس پر عمل کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین نے قرآنی ہدایات اور پیغام رسالت کو کس طرح برتا اور استعمال کیا وہ بھی احادیث اور اسلامی تاریخ میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ محفوظ ہے۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کے شخصی اور گھریلو معاملات سے متعلق جو اسلامی قوانین ہیں، انہیں کا دوسرا نام ''مسلم پرسنل لا'' ہے۔

چودہ سو سال سے یہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں پر نافذ ہے اور مسلمان دنیا کے جس گوشے میں بھی آباد ہیں۔ وہ اسی پرسنل لا پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔

تاریخ کے اس طویل عرصہ میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ تہذیبیں بدلی ہیں۔ ملکوں کی معاشرت میں فرق آیا ہے۔ اور نئے مسائل برابر پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن علمائے امت اور ائمہ اسلام نے کتاب وسنت کی روشنی میں نئے مسائل کو حل کیا ہے۔ اور جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر ایسے جوابات دیئے ہیں۔ جن سے معاشرہ میں پیدا ہونے والی دقتیں دور ہوگئی ہیں۔ اور مسلم معاشرہ نے صلاح وفلاح کی طرف قدم آگے بڑھایا ہے۔

یہ شخصی اور گھریلو قوانین ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ قوم کا امتیاز اور ملت کا تشخص باقی رہ سکتا ہے اور یہ پرسنل لا ہی وہ چیز ہے جو ایک معاشرہ کو دوسرے معاشرے سے الگ اور ممتاز کرسکتا ہے۔

اسلامی پرسنل لا کے ذریعہ ایک ایسا معاشرہ تیار ہوتا ہے جس کی بنیاد پر خدا کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت پر ہوگی۔ اس معاشرہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا جلوہ ہر قدم پر نظر آئے گا۔ اس معاشرہ کا ہر فرد اپنے ایمان لانے کی ذمہ داری کو محسوس کرے گا۔ اور اس یقین کے ساتھ کوئی عملی قدم اٹھائے گا کہ ہمیں خدا کے سامنے اپنے ہر کام کا جواب دینا ہوگا۔

ہندوستان اور مسلم پرسنل لا:

ہندوستان میں بھی مسلم بادشاہوں کے زمانے میں اسلامی قوانین

جاری تھے، جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے حکومت کے نظم ونسق کیلئے اپنا قانون نافذ کیا لیکن شخصی اور گھریلو زندگی کے واسطے انہوں نے اسلامی قانون باقی رکھا اور مسلمانوں کے لئے قاضی مقرر ہوتے رہے۔ پھر انگریزوں نے یہ نظام قضاء بھی ختم کیا اور گھریلو زندگی سے متعلق اسلامی قوانین کا نفاذ عام سرکاری عدالتوں کے حوالہ کر دیا۔ اور اسلامی گھریلو قوانین کا جو حصہ انگریزوں نے عدالتوں کے حوالہ کیا اس کا نام ''مسلم پرسنل لا'' رکھا۔

جب ملک آزاد ہوا اور اس کا دستور بنا تو دستور میں ہندوستان کے رہنے والوں کے عقائد، مذہب اور تہذیب کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ دستور کی دفعہ ۴۴ میں ملک کے لئے یکساں شہری قانون بنانے اور اس کے نافذ کرنے کی طرف رہنمائی کی گئی۔ یہی ہدایتی دفعہ ۴۴ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی راہ پیدا کرتی ہے۔ اس وقت سے اب تک اس سلسلہ میں جو حالات و واقعات پیش آتے رہے ہیں اور حکومت کے ذمہ داروں نے مجالس قانون ساز کے اندر اور باہر جو بیانات دیئے ہیں اور حکومت نے بالواسطہ عام قانون سازی کے ذریعہ یا اپنے بعض سرکلر کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو جس طرح متاثر کرنے کی کوشش کی ہے اس کے پیش نظر ہر مبصر بجا طور پر سمجھ سکتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں حکومت کے ذمہ داروں کی نیت صاف نہیں ہے اور وہ حضرات جو اس ملک میں قانون کے مفکرین ہیں ان کا ذہن کسی وقت بھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے خالی نہیں رہا ہے۔

اس موقعہ پر ایک بات صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ حکومت جمہوری ہے۔ جمہوری قدروں کا تحفظ کرنا چاہتی ہے تو اسے آنکھ کھول کر دیکھ لینا چاہئے کہ مسلمان اپنے پرسنل لا میں تبدیلی کرنا نہیں چاہتے اس معاملہ میں ان کے جذبات بے حد نازک ہیں۔ ۱۹۷۲ء کے بمبئی کنونشن نے پھر حیدرآباد والہ آباد اور بنگلور کے عظیم اجتماعات نے جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت منعقد ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں رہنے اور بسنے والے مسلمانوں کا ہر طبقہ، خواہ وہ مذہبی ہو یا ثقافتی، سماجی ہو یا سیاسی مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا شدید ترین مخالف ہے۔ ان حالات میں ہمارے ملک کی جمہوری حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو مطمئن کرے کہ انکا پرسنل لا دست و برد سے محفوظ رہے گا اور اس سوراخ کو بند کرے جہاں سے مسلم پرسنل لا کی تبدیلی اور مشترکہ سول کوڈ کی تیاری کیلئے مواد فراہم ہوتا ہے اور وہ دستور ہند کی ہدایاتی دفعہ ۴۴ ہے۔

صرف وعدے کافی نہیں!

مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ہندوستان گیر مقبول ترین تحریک اور ہندوستان کے مختلف حلقوں میں بورڈ کی مثالی اور عظیم الشان کانفرنسوں کا، جس میں ملی اتحاد کا بے نظیر مظاہرہ ہوتا رہا ہر طرف دباؤ محسوس کیا گیا۔ اور حکومت کے ذمہ داروں نے کہنا شروع کر دیا کہ حکومت مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی اور تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی ہے۔ لیکن جب تک وہ قوانین اور سرکلر ختم نہیں کر دئے جائیں جو مسلم پرسنل لا کو متاثر کرتے ہیں۔ حکومت کے ذمہ داروں کے ان اعلانات اور بیانات پر کوئی انسان کس طرح مطمئن ہو سکتا ہے۔ اگر صرف بیانوں ہی سے مطمئن ہونے کی بات ہے تو ہندوستان کے دور آزادی میں مسلمانوں کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق حکومت کے ذمہ داروں نے اپنے بیانات سے مطمئن کرنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن یہ بھی دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کے تقریباً تمام مسائل جس جگہ تھے آج بھی اسی جگہ ہیں ان میں کوئی خوشگوار پیش رفت نہ ہو سکی۔

آپ کی ذمہ داری:

اس موقعہ پر جب کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہیں میرا فرض ہے کہ میں خود ان کی ذمہ داری کا انہیں احساس دلاؤں، وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنے مسائل کو دوسروں کے سہارے بالخصوص اقتدار اور حکومت کے ذریعہ حل کرنے کی عادی ہو چکی ہو۔ کسی مقصد کے حصول اور کسی منزل تک پہونچنے کیلئے سب سے پہلے مقصد و منزل کا علم، اس کا تعین اور اس پر یقین ضروری ہے اور پھر مقصد کے حصول کے لئے لگن اور جذبۂ صادق بنیادی شرط ہے۔

جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ مسلم پرسنل لا اسلامی قانون ہی کا حصہ ہے اس لئے اس کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ سب سے پہلے آپ کو مسلم پرسنل لا اور اس سے متعلق تمام جزئیات کا علم ہونا

چاہئے۔اوران عائلی قوانین کی صحت پر پورا یقین ہونا چاہئے کہ انہیں قوانین کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی صلاح وفلاح ہوسکتی ہے۔اور پھر یہ عائلی اور شخصی قوانین الگ الگ مسلم افراد پر پورے خاندان پر مسلم معاشرہ میں صحیح طور پر جاری ونافذ ہونا چاہئے۔

آج مسلمانوں میں چار طبقات صاف صاف موجود ہیں۔ایک تو وہ جو اسلامی قوانین اور مسلم پرسنل لا سے اچھی طرح واقف ہے......دوسرا وہ جسے براہ راست قرآن وسنت سے اسلامی قوانین کا علم حاصل نہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔اسلام کا وفادار اور دین کا پورا احترام کرنے والا ہے۔ ایمانداری کے ساتھ مسلم پرسنل لا میں بعض دشواریاں محسوس کرتا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جو صرف اپنے آپ کو مسلمان اور مسلمانوں کا نمائندہ کہتا ہے لیکن اسلام سے کہیں زیادہ مغربی افکار وخیالات کا وفادار ہے اور دین وشریعت سے بڑھ کر ترقی پسندی کا علمبردار ہے۔

چوتھا طبقہ عام مسلمانوں کا ہے جو ہمارے سامنے بیٹھا ہے یہ اپنے علم شعور کی حدتک دین پر عمل پیرا ہے یہ کسی قیمت پر مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے تیار نہیں۔

آپ کو سب سے پہلے مسلم پرسنل لا اور اس کی تفصیلات کا علم ہونا چاہئے۔......مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین کے استعمال کا صحیح طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔مسلم پرسنل لا میں دیئے گئے حقوق کا غلط استعمال اور اس سلسلہ میں ہماری تھوڑی سی لغزش مخالفین کیلئے مواد مہیا کرتی ہے۔

ایک مثال:

مثال کے طور پر تین طلاق کے وقوع کا مسئلہ ہے۔یہ ایک واقعہ ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے گا تو تین ہی واقع ہوں گی لیکن اس حق کو آج بہت سی جگہ غلط استعمال کیا جارہا ہے۔

باوجودیکہ اسلام نے رشتہ نکاح توڑنے کیلئے نہیں جوڑنے کیلئے بنایا ہے،اسلام یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ یہ رشتہ آسانی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتوں پر توڑ دیا جائے لیکن رشتہ نکاح کی مضبوطی اور نزاکت کے باوجود ایسا وقت اور موقعہ بھی آسکتا ہے اور بعض دفعہ آتا ہے کہ دونوں کی زندگی کا سکون اور گھریلو مصالح کا تقاضہ رشتہ توڑ دینے ہی میں ہوتا ہے جس کا اختیار شریعت نے مرد کو براہ راست اور عورت کو بالواسطہ دیا ہے لیکن یہ آپ کو سمجھنا چاہئے کہ طلاق ایک ایسا حق ہے جو انتہائی مجبوری کی حالت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ طلاق ''البغض المباحات '' ہے یعنی جو چیزیں حلال اور مباح کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے،شریعت نے ہمیں بتلایا ہے کہ تمہیں اگر طلاق ہی دینی ہو تو پاکی کے زمانے میں ایک طلاق دو پھر دیکھو اگر تعلقات استوار نہ ہوں تو دوسرے مہینے میں دوسری طلاق دو، پھر بھی اگر صورتحال نہ بدلے تو تیسرے مہینے تیسری طلاق دیکر ہمیشہ کیلئے علاحدہ کردو۔

ظاہر ہے اگر طلاق دینے کی یہ صحیح صورت اختیار کی جائے تو پھر اس میں غصے اور وقتی جذبات کو دخل نہ ہوگا۔بلکہ یہ تین وقفہ میں دی گئیں تین طلاقیں مرد کا ایک سوچا سمجھا فیصلہ ہوگا۔جو انشاء اللہ تعالیٰ فریقین کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوگا۔

مسلمانوں سے اپیل:

یہ اور اس قسم کے متعدد مسائل ہیں جن میں ہمارا طریقہ اور عمل شریعت اسلامیہ کی ہدایتوں کے مطابق نہیں ہے جن سے معاشرہ میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ہمارا فرض ہے کہ ہم شرعی مسائل کو جانیں اور اسے صحیح طریقے پر اپنے گھروں میں جاری اور نافذ کریں اس طرح ہم مسلم پرسنل لا کا تحفظ کرسکتے ہیں اور ہمیں اس کا یقین ہے کہ اگر ہم نے شریعت کے قانون پر سچا اور کامل یقین رکھا،اسے اپنے گھروں میں صحیح طریقے پر برتا اور استعمال کیا اور اس مقصد کے لئے ہم مجتمع اور متحد رہے تو پھر کوئی طاقت بھی شریعت کے قانون کو تبدیل نہیں کرسکتی۔

خدا سے دعاء ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو صرف نام کا نہیں کام کا مسلمان بناوے،ہمیں اسلامی احکام اور اسلامی قوانین پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔حق تعالیٰ ہمیں ایسی طاقت بخشے کہ ہم اپنے مسائل کو خود حل کرسکیں اور اپنے قانون کی خود حفاظ کرسکیں۔

مسلمان شریعت میں ایک نقطہ سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتا!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (سابق صدر بورڈ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد و الہ وصحبہ اجمعین و من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الی یوم الدین۔

ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے اس فیصلہ کو ارادۂ الٰہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری، یا بے چارگی پر مبنی نہیں ہم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی شعائر، قانون شریعت اور اپنی پوری مذہبی وتہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اپنی خصوصیات، قانون شریعت، احکام دین، اپنے عقائد و شعائر اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، اس طرح رہنے سے یہ وطن، وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمیؑ ہے اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی اور دستور سازی میں شریک ہیں، اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

زندگی اور موت بھی اسلام پر ہوگی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام اور ایمان پر قائم رہنے کی کوشش کریں، اسی پر اپنی زندگی گزاریں اور جب موت آئے تو اسی دین وملت پر آئے۔

"تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو"۔ (آل عمران:۱۰۲)

اسی کی وصیت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی کہ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

"اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اس کی وصیت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی، انہوں نے کہا تھا، میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔" (البقرہ:۱۳۲)

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک اس کے انتظامات کئے ہیں اور ایسا ماحول تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے، اس کو ہر وقت یاد رہے کہ اس کا تعلق اس دین وملت سے ہے جس کے داعی ابراہیم اور محمد علیہما السلام تھے جس کی بنیاد توحید پر ہے اور وہ ایک الگ امت ہیں، مسلمان جس وقت بھی پیدا ہوتا ہے، اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے، اس کا اسلامی نام رکھا جاتا ہے، ناموں میں ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں عبدیت و حمد کا اظہار ہے، اس سے ابراہیمی سنتیں ادا کرائی جاتی ہیں اور جب مرتا ہے تو سب اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اپنے لیے اور سب

مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔

(اے اللہ ہم میں سے تو جس کو زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھیو اور جس کو موت دے تو اس کو ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھائیو)

یہاں تک کہ قبر میں اتارتے ہوئے اور آخری ٹھکانے پر پہنچاتے ہوئے بھی یہی لفظ زبان پر ہوتے ہیں۔

بسم اللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ ،اللہ کے نام پر اور رسول کے دین وملت پر، اس کا مقصد اور پیغام یہ ہے کہ ہمیں اٹھتے بیٹھتے ،سوتے جاگتے اور زندگی کی ہر منزل پر اس کو یاد رکھنا ہے کہ ہم ملت ابراہیمیؑ اور امت محمدیؐ کے فرد اور ایک مخصوص شریعت اور آئین ومسلک زندگی کے پیرو اور خدا کے موحّد اور وفادار بندے ہیں، ہماری زندگی بھی اسی آئین ومسلک کی وفاداری میں گزرے اور ہمیں موت بھی اسی حال میں آئے، ہماری موجودہ نسلیں بھی اسی راستہ پر گامزن رہیں اور ہماری آئندہ نسلیں بھی اسی صراط مستقیم پر چلیں۔

ملت ابراہیمیؑ اور دین محمدیؐ کی اس دعوت کو آج صراحت اور تعین کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے، یہ اس تہذیب کی دعوت ہے جس کی بنا ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی ہے اور تکمیل وتجدید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اجتماع واخلاق میں اس کے معین اصول ہیں، یہ فرد کی حریت اور فلاح کی ضامن ہے، چند معین عقائد، معین اصولوں اور معین کرداروں نے اس کو وجود بخشا ہے، یہ ابراہیم علیہ السلام ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشترکہ دعوت اور میراث ہے اور اس کے سوا کوئی تیسری چیز خدا کو قبول نہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

(اقبالؒ)

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان وعقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (Family Law) اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے ،اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، وہ فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے۔

''کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔'' (الملک:۱۴)

اسی طرح وہ زمانہ کا خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی وحال ومستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے جو ایک زندہ جاوید امت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے تو ترمیم وتبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے ایک اعتقادی وعلمی نفاق کے سوا کچھ نہیں، پھر معاملہ صرف بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل متوازن اور عادل ہونے اور زمان ومکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی وعلمی شواہد اور مسلم وغیر مسلم، مشرقی ومغربی فضلاء، جری وانصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی ''شپرہ چشم'' ہی ان سے انکار کرسکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے اور بڑا قیمتی مواد جمع کردیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہوگئی ہیں اور یہ بادل جو ابھی کسی وقت گرجتا ہے کسی وقت ضرور برسے گا تو انہوں نے ''مسلم پرسنل لابورڈ'' کے نام سے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رخ کا جائزہ لیا جاتا رہے، اور مسلمانوں کی رائے عامہ کو بیدار رکھنے کا سامان کیا جاتا رہے، تاکہ اچانک ان پر یہ یا کوئی

دوسرا مسئلہ شب خون نہ مارنے پائے یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی کے لحاظ سے تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح وترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رخ معلوم ہوگیا، اور اتنا ثابت ہوگیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فیصد متفق ہیں، اس لئے دانش مندی، حقیقت پسندی اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضا ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے۔

حضرات! یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بہت بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (ریفارمرس (Reformers)) یا بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا ہے، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر و دبستان خیال (School of Thought) اور خالص مطالعہ، غور وفکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل، سرحدی لکیر (Line of Demarcation) ہوتی ہے جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث (Confusion) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حد فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفۂ سماجیات (Social Science) کا علم تہذیب و تمدن (Civilization) سوسائٹی اور انسانی معاشرہ یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ (School of Thought) بھی ہے لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک ''دین'' ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا اور وہ ان کے لئے اسی درجہ کا قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے۔

''اور وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (اور ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔'' (النجم:۳،۴)

''آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کررہے ہیں۔'' (الشوریٰ:۵۲)

وحی نبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی ونبوت کے عہد سے اتنے دور ہوچکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بہت سے حضرات ناآشنا ہیں، بعثت محمدیؐ سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ وہ شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ ہے اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ

مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلے کرنے کے اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے، اس بارے میں مذاہب میں خود اختلاف ہے اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کرلیا ہے، مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے اور جامع بھی، قرآن شریف میں ہے:

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔'' (بقرہ:۲۰۸)

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں، اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔

یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلادی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے (قومی آواز دہلی، ۱۰؍جون ۱۹۸۴ء) کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربی (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارا ہوسکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے؟ خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونا چاہئے تھی میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور وہ انہیں عذاب دے۔'' (الانفال:۳۳)

آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہوا؟ اس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ کے ہوتے بھی یہ نہیں ہونا چاہئے تھا، چہ جائے کہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لئے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لئے پیام دیں گے تو جہیز کے لئے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہئے، وہ ملنا چاہئے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے رسم کو ختم کریں گے۔

۞۞۞

شریعت اسلامی میں مداخلت کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے

حضرت مولانا محمد یوسفؒ (سابق امیر جماعت اسلامی ہند)

کسی بھی راسخ العقیدہ مسلمان سے سوال کیجئے کہ وہ اسلامی شریعت سے اتنی محبت کیوں کرتا ہے تو اس کا سیدھا سادا جواب یہ دے گا کہ ایک فرد جو اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے ان کی اطاعت وفرماں برداری کا عہد کر چکا ہے، اور اس عہد کو **أشهد أن لا إلـه الا الـلـه و أشهد أن محـمـد رسول الله** کہہ کر دن رات میں بار بار دہراتا رہتا ہے۔ اس کی گھٹی اور فطرت میں یہ بات ودیعت ہو چکی ہے کہ وہ اس دین اور شریعت سے محبت کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت نازل فرمایا ہے اور اس طرح اپنی چند روزہ زندگی میں خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرے۔ آپ اس سے اگر یہ سوال کریں کہ وہ اپنے پرسنل لا میں ترمیم کیوں نہیں چاہتا تو دوٹوک لفظوں میں یہی کہے گا کہ چوں کہ اسلامی شریعت کو وہ مکمل اور دین کا جز سمجھتا ہے نیز تمام دنیا کے قوانین سے بالا وبرتر اصح اور کامل سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ مسلم پرسنل لا میں جو شریعت اسلامیہ کا ایک حصہ ہی کسی کتر بیونت کا قائل نہیں ہے۔

وہ آپ کو یہ بھی بتلائے گا کہ وہ اس بات پر یقین کامل رکھتا ہے کہ اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی زندگی بدرجہا بہتر بھی ہے اور وہ یوم حساب کی اس باز پرس سے ڈرتا ہے کہ اس نے اس مختصر سی زندگی میں خدا اور اس کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری کیوں نہیں کی۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اسلام صرف نماز، روزہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل دین ہے جس کے ہر جز کی اتباع اسی طرح لازم ہے جس طرح نماز روزہ کے احکام کی۔ لہٰذا اگر وہ ان تمام احکام کی پابندی کرتا ہے جن میں اس کا پرسنل لا بھی شامل ہے تو وہ امید رکھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے اس کو دائمی مسرت کے اس مقام میں داخل کرے گا جس کا نام جنت ہے، لیکن اگر اس نے کسی حکم کی نافرمانی کی خواہ وہ پرسنل لا ہی کے سلسلہ میں کیوں نہ ہو تو اس کو سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے تصور ہی سے اس کی روح لرز جاتی ہے۔ وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ آپ سے یہ بھی کہے گا کہ خدا کے ماننے والے اگر اس کے کسی ایک حکم میں کتر بیونت کرنے لگیں تو ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ دوسرے احکام خداوندی کا کانٹ چھانٹ میں جری ہو جائیں گے بلکہ کسی بھی مروجہ قانون اور لیجسلیچر کے احکام کی پابندی سے بھی گریز کرنے لگیں گے۔

ایک بے وزن بات

مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ فلاں مسلم ملک نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کر دی ہے، اس لئے ہندی مسلمانوں کو بھی اپنے پرسنل لا میں تبدیلی کر دینی چاہئے۔ لیکن یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں فلاں مسلمان چوں کہ شراب پیتے ہیں یا جوا کھیلتے ہیں، کیوں نہ دوسرے مسلمان بھی ایسا ہی کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے استدلال کو استدلال کہنا استدلال کی توہین ہے۔ یہاں سوال اصول کا ہے نہ کہ کسی کے عمل کا۔ اگر کسی کا عمل اصول کے خلاف ہے تو ایسے عمل کو غلط قرار دیا جائے گا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کے کسی منصوص جز میں ترمیم کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، خواہ اقدام کوئی کرے، بفرض محال ساری دنیا کے مسلمان متفقہ طور پر بھی اگر کسی حکم خداوندی میں ترمیم کر دیں تو ان کا یہ اقدام غلط ہی ہوگا کیوں کہ وہ اس کے قطعی مجاز نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب کہ 'لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق' ایسے تمام احکام وقوانین دیوار پر دے مارنے کے قابل ہیں جو کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر بنائے گئے ہیں۔

جو لوگ ایسے احکام وضع کریں ان کو ڈرنا چاہئے کہ خدا کی سزا بڑی سخت ہے۔ اب ان تبدیلیوں کی بھی حقیقت جان لینی چاہئے جو بعض مسلم ممالک نے، مسلمانوں نے پرسنل لا میں کی ہیں۔ یہ حقیقت فی الاصل

بس اتنی ہے کہ جن ممالک میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم واصلاح کی گئی ہے ان سب میں سوائے دوملکوں کے۔ یہ ترمیم واصلاح تمام تر حدود وشریعت کے اندر رہتے ہوئے کی گئی ہے۔ یعنی کسی ایک ہی مکتب فقہ کی بجائے مختلف فقہی مسالک کو سامنے رکھ کر اخذ وانتخاب کا طریقہ اختیار کرکے ایک مجموعہ قوانین مدون کرلیا گیا ہے یعنی اس مجموعہ قوانین کا سرچشمہ بہرحال اسلامی ذخیرہ فقہ ہی ہے۔ پھر اس سلسلے میں جو کچھ کیا ہے وہ خود مسلمانوں ہی نے کیا ہے۔ اور علماء ماہرین قانون اسلام کے مشورے سے کیا ہے غیر مسلمین کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں رہا ہے۔ اس ذیل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مسلمان ملکوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کی کوشش نہیں کی ہے جیسا کہ ہمارے ملک کے سیاست دانوں کے پیش نظر ہے۔ بلکہ غیر مسلموں کے لئے ان کے پرسنل لا محفوظ رکھے گئے ہیں۔

اس بات کو پھر ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ اگر کسی مسلم ملک نے کوئی ایسی تبدیلی کی بھی ہو جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو خدا اور اس کے مقابلے میں یہ ایک باغیانہ روش اور غیر مجاز عمل ہے جس کو نہ تو نظیر بنایا جاسکتا ہے نہ اس کو بنیاد بنا کر قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے پر اصرار کرنے والوں کے مقابلے میں کوئی حجت قائم کی جاسکتی ہے۔ کتاب وسنت ہی دراصل مسلمانوں کی پوری زندگی کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا حکم ان کے لئے واجب الاتباع ہے۔

ایک غلط دعویٰ

عام طور سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے دستور کی رو سے پارلیمنٹ کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دستور ہند کے کچھ اجزاء بنیادی ہیں اور کچھ غیر بنیادی۔ ان بنیادی اجزا میں ترمیم کا کسی پارلیمنٹ کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہندوستان کے شہریوں نے ملکی ڈھانچے اور نظام کو اس وجہ سے قبول کیا ہے کہ اس میں بنیادی حقوق کی دفعات موجود ہیں۔ ان حقوق میں کانٹ چھانٹ سے اندیشہ ہے کہ ایک نئے انقلاب کا دروازہ کھل جائے گا۔ جس میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی مستحکم ضمانت دی گئی ہو۔ ہندوستانی شہری اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ عارضی طور پر کامیابی حاصل کرنے والی پارٹیوں کی خواہشات پر ہوا کے اکھڑے ہوئے پتوں کی طرح اڑتے رہیں۔ بلکہ انہوں نے بجا طور پر ایسی مستقل بنیادوں کو دستور میں جگہ دے رکھی ہے جو بنیادی انسانی حقوق کی ضامن ہیں اور اہل ملک کی ہر اٹھنے والی قیادت کو پابند کیا ہے کہ وہ ان بنیادوں میں رخنہ اندازی نہ کرے۔

یہ صحیح ہے کہ دستور ہند میں بنیادی حقوق کے باب کے بعد، رہنما اصولوں کے باب کے تحت ایک دفعہ میں مشترکہ سول کوڈ کا تصور بھی دیا گیا ہے۔ لیکن لوگوں کو مغالطہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ ریاست اس کی عملاً بھی پابند ہے۔ اس سلسلے میں ایک واضح مثال شراب بندی کے قانون کی ہے جو رہنما اصولوں میں درج ہے لیکن حکومت اسے نافذ کرکے اب دھیرے دھیرے ختم کرتی جارہی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دستور ہند کی رو سے کسی شہری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حکومت اگر کسی رہنما اصول پر عمل درآمد کرنے سے قاصر رہے تو عدالتی چارہ جوئی کرکے اسے مجبور کیا جاسکے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دستور ہند میں یکساں سول کوڈ کی دفعہ 44 دستور کے چوتھے باب کا ایک جز ہے۔ دستور کے چوتھے باب میں چند وہ رہنما اصول مندرج ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر حکومت کو قانون سازی کرنی ہے۔ دفعہ 44 کے الفاظ یہ ہیں:

’’ریاست ملک کے تمام شہریوں کے لئے ایک مشترک سول کوڈ مہیا کرنے کی کوشش کرے گی۔‘‘ دستور کے باب سوم کا عنوان ہے ’’بنیادی حقوق‘‘ اور اس باب میں ہندوستان میں رہنے والے تمام ہی باشندوں کے لئے چند حقوق کو ان کے بنیادی حقوق کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے اور ان کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ ان بنیادی حقوق میں سے ایک حق مذہب کو اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا ہے۔ (دفعہ 25) اور اسی باب میں (دفعہ 39) کے ذریعہ یہاں کے شہریوں کے ہر طبقہ کو اپنے مخصوص کلچر کو برقرار اور محفوظ رکھنے کی حق کی ضمانت دی گئی ہے۔

دستور ہند کے ان دونوں ابواب یعنی باب سوم اور باب چہارم کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ بنیادی حقوق کو رہنما اصولوں پر فوقیت اور بالادستی حاصل ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی رہنما اصول کسی بنیادی حق سے متصادم ہو تو اس رہنما اصول کو پس پشت ڈال

دیا جائے گا۔اس فرق کو متعین کرنے والے چندوجوہ یہ ہیں۔

بنیادی حقوق کے متعلق دستور ہی کی دفعہ 32 میں اس باب کی صراحت کردی گئی ہے کہ بنیادی حق کو سپریم کورٹ کے ذریعہ نافذ کرایا جاسکے گا۔ یہ امرملحوظ رہے کہ دفعہ 32 کی گنجائش دفعہ 226 سے مستزاد ہے جس کے تحت ہر ہائی کورٹ میں کسی بھی حق کے نفاذ کے لئے رٹ داخل کی جاسکتی ہے۔اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ریاست کسی بھی فرد کوکسی قانون کے ذریعے یا کسی عاملانہ حکم کے ذریعہ اس کے کسی بنیادی حق سے محروم کرے تو وہ اس قانون یا حکم کوعدالت میں چیلنج کرکے اس کی منسوخی کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

لیکن رہنما اصولوں کے تعلق سے ایسی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے اور قانون دانوں کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر ریاست کسی رہنما اصول کو اختیار کرنے میں قصور اور کوتاہی کرے تو کسی عدالت کے ذریعہ ریاست کو اسے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔اس صورت حال سے بھی بنیادی حقوق کی رہنما اصولوں پر بالادستی واضح ہوتی ہے۔

بنیادی حقوق کو دفعہ 13 ضمن 2 کے ذریعے مزید مستحکم کردیا گیا ہے اس دفعہ کی رو سے ریاست کے اختیارات قانون سازی پر یہ صریح تحدید عائد کی گئی ہے کہ ریاست کوئی ایسا قانون نہیں بناسکتی جس سے باب سوم میں مندرج بنیادی حقوق میں کسی کے حق پر کوئی ضرب ہوتی ہو۔

رہنما اصولوں کے باب میں ایسی کوئی مثبت یا منفی نوع کی دفعہ شامل نہیں ہے۔جس سے ریاست پر کوئی لزوم عاید ہوتا ہے یا شہریوں کے حقوق کومحدود کیا گیا ہو۔

دستور کے باب سوم میں جن بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے وہ اپنی نوع میں بنیادی انسانی حقوق ہیں جو انسان کی فطری عزوشرف کا خاصہ ہیں۔اور جن کو آج کی ہر متمدن ریاست تسلیم کرتی ہے۔نیز وہ اقوام متحدہ کے منشور برائے بنیادی حقوق میں بھی شامل ہیں۔ اور اس منشور پر دستخط کرکے حکومت ہند نے بھی ان کو تسلیم کرلیا ہے۔اسی لئے اس باب سوم میں بیشتر بنیادی حقوق کی ضمانت (بشمول دفعہ 25 میں دی ہوئی مذہبی آزادی کے) تمام لوگوں کے لئے ہے جب کہ یکساں سول کوڈ کا دائرہ صرف ہندوستان کے شہریوں تک ہی محدود ہے۔جس کا مطالبہ یہ ہے کہ مذہبی آزادی کے بنیادی حق سے ہندوستان میں رہنے والا ہر مقیم کوئی بھی شخص حتی کہ ایک غیر شہری بھی جو عارضی طور پر ہندوستان میں مقیم ہو مستفید ہوسکتا ہے۔اور اس کے تحفظ کے لئے ہندوستان کی عدالتوں کی پشت پناہی اسے حاصل ہوگی۔ رہنما اصول کے مقابلے میں بنیادی حقوق کا یہ عموم بھی ان بالادستی کو ظاہر کرتا ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا کوئی ریاستی مجلس قانون ساز ایسا قانون وضع کرے جو دستور میں دئے ہوئے بنیادی حقوق سے متصادم ہوتو وہ قانون غیرآئینی ہوگا۔اور یہی بات یکساں سول کوڈ کے لئے بھی ہے۔

یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ پارلیمنٹ ایک ایسا ادارہ ہے جو دستور ہند کی بعض دفعات کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔اس لئے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دستور کی صحیح منشاء کے خلاف کوئی قانون وضع کرے اور اس کے ذریعہ اقلیتوں کے بنیادی حقوق کوغصب کرلے، دستور ہر حال میں پارلیمنٹ سے بالاتر ہے۔اس کی بالادستی کے علی الرغم پارلیمنٹ اگر کوئی ایسا قانون وضع کرتی ہے جو اس کے بنیادی حقوق سے متصادم ہوتو یہ سمجھا جائے گا کہ پارلیمنٹ نے اپنے حقوق سے تجاوز کیا ہے اوران سب لوگوں کو جوایسا قانون وضع کرنے میں کسی حیثیت سے شریک ہوں یہ سمجھا جائے گا کہ ان کا یہ اقدام حلف وفاداری کے خلاف ہے جو انہوں نے دستور ہند کے مطابق عمل کرنے کے سلسلے میں اٹھایا ہے۔

دستور ہند کی مذکورہ بالاخصوصیات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے کہ پارلیمنٹ کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔اس لئے کہ مسلم پرسنل لا دین اسلام کا اہم جز ہے۔اور اسلامی کلچر میں داخل ہے۔اس لئے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا ہے جو اس کلچر پرضرب لگاتا ہو۔

مشترکہ سول کوڈ کی ایک جھلک

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ہمیں ایک اور اندیشہ بھی لاحق ہے جس سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے یہ اندیشہ اس شکل میں سامنے آرہا ہے کہ اس وقت ایسے متعدد قوانین منظور کئے گئے اور کئے جاسکتے ہیں جو مسلم معاشرے کے شخصی قوانین پر اثر ڈالنے والے ہیں اور جو مشترکہ سول کوڈ میں شامل ہیں۔

بچوں کی تبنیت (Child adoption) کے سلسلے میں اس وقت عام آبادی پر ایک قانون نافذ کرنا حکومت کے پیش نظر جس کو (Adoption of children1972) کے نام سے پاس کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔یادرہے کہ پارلیمنٹ میں یہ بل حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ حکومت مسلم پرسنل لا کو ابھی بدلنا نہیں چاہتی ہے، صحیح نہیں ہے۔صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ غیرمحسوس طریقہ پر پرسنل لا میں تبدیلیوں کی کوشش کی جارہی ہے۔اس بل کی دفعہ 13 ملاحظہ ہو۔

تبنیت کا اثر

(1) حکم تبنیت اس تاریخ سے نافذ متصور ہوگا جس تاریخ کی صراحت ڈسٹرکٹ کورٹ نے اپنے حکم نامہ میں کی ہو یا اگر تحت دفعہ 12 اس حکم کے خلاف کوئی مرافعہ کیا گیا ہو تو اس تاریخ سے جس کی صراحت عدالت مرافعہ کے حکم میں کی گئی ہو۔

(2) وہ بچہ جس کے بارے میں حکم نامہ تبنیت جاری ہوا ہو حکم نامہ میں مندرج تاریخ سے جملہ اغراض کے لئے (بشمول بلا وصیت انتقال کی صورت کے) مثل اپنے متبنی گیرندہ کے حقیقی بچہ کے اور اس کے متبنیٰ گیرندگان مثل اس کے حقیقی والدین کے متصور ہوں گے گویا کہ وہ ان کے رشتہ مناکحت کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اور اس تاریخ سے اس بچہ کے جملہ تعلقات اپنے خاندان پیدائش سے منقطع اور متبنیٰ گیرندگان کے خاندان سے قائم شدہ متصور ہوں گے مگر شرط یہ ہے:

(الف) وہ بچہ کسی ایسے فرد سے شادی نہ کرسکے گا جس سے وہ شادی نہ کرسکتا اگر وہ اپنے خاندان پیدائش ہی میں رہتا۔

(ب) اگر کوئی جائداد تاریخ حکم نامہ تبنیت سے قبل اس بچہ کو حاصل ہو چکی تھی تو تابع ان شرائط کے، اگر کوئی ہوں، جن کے تحت وہ اس بچے کو حاصل ہوئی تھی، وہ اس بچہ کی ملکیت میں باقی رہے گی۔

(ج) متبنی کسی فرد کو کسی ایسی جائداد کے حقوق ملکیت سے محروم نہ کرے جو حکم نامہ تبنیت سے قبل اس فرد کو حاصل ہو چکے ہوں۔''

متبنی کے یہ حقوق بعینہ وہی ہیں جو Hindu Adoption and Maintenance Act1956 کے تحت ہندوؤں کے سلسلے میں مقرر کئے گئے ہیں اور اب ان کو سب ہندوستانیوں پر لاگو کیا جانا پیش نظر ہے۔

چناں چہ ۷۲ء کے اس بل کے اغراض ومقاصد میں یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ اس مسودہ قانون کا مقصد تبنیت کے بارے میں مروجہ ہندو قانون تبنیت وگذارے کے جز ومتعلقہ تبنیت اور اس سلسلہ کے سارے رواجی قوانین کو ختم کرا کے ایک ایسا قانون بنانا ہے جو تمام فرقوں پر لاگو ہو۔

اس سے قیاس کر لیجئے کہ مشترکہ سول کوڈ کس طرح اکثریت کے مزاج اور روایات کا عکس بن کر سامنے آنے والا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت نے مسلمان خاندان کے نظم واستحکام کے لئے شخصی قوانین بنائے ہیں ان پر اگر آزادانہ اور غیر متعصّبانہ طور پر غور کیا جائے تو ہر منصف مزاج انسان یہ مطالبہ کرنے پر آپ کو آمادہ پائے گا کہ ان قوانین کو مسلم سماج ہی کے لئے خاص رکھنے کے بجائے ملک گیر اور آفاقی حیثیت دی جانی چاہئے۔کیوں کہ ان کے علاوہ خاندان کا استحکام اور سماجی انصاف کسی اور طرح ممکن ہی نہیں۔ مگر برا ہو تنگ نگاہی کا اس کے باعث ایسے مفید اور جامع قوانین سے استفادہ کرنا تو درکنار، الٹا ان لوگوں کو بھی اس سے محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو ان کو اپنائے ہوئے ہیں۔

ہم یقیناً اس وقت ایک اجنبی ماحول میں گھرے ہوئے ہیں تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔تاریکی کا وجود ہی اس امر کا متقاضی ہے کہ اس میں روشنی کا چراغ جلایا جائے۔ہمیں اپنی جگہ اس وقت ایک طرف تو یہ عزم کرلینا چاہئے کہ اپنے معاشرہ میں اسلامی روح کے مطابق خاندانوں کی اصلاح کریں گے اور ہمارا ایک ایک گھر خدمت دین اور اقامت دین کا روشن منارہ بنے گا۔دوسری جانب ملی پیمانہ پر ہماری طرف سے اس بات کا صریحی مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کا کسی حکومت یا پارلیمنٹ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا انتباہ

اس ذیل میں یہ تذکرہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جب مجلس دستور ساز میں مجوزہ دستور پر دفعہ وار بحث ہو رہی تھی اور یہ دفعہ 44 (جو مسودہ دستور میں دفعہ 35 تھی) زیر بحث آئی تو بعض ممبران اسمبلی دستور ساز نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور ان تقریروں سے یہ بات بھی کھل کر سامنے

آئی کہ اس کی مخالفت صرف مسلمان ہی نہیں کرتے بلکہ خود ہندو کا ایک بڑا طبقہ مشترکہ سول کوڈ کا مخالف ہے اور اس کو مداخلت فی الدین اور دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کے مغائر سمجھتا ہے، اس موقع پر ڈاکٹر امبیڈکر صاحب نے جنہوں نے دستور کا مسودہ تیار کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا اس بارے میں یہ فرمایا تھا۔

''ریاست صرف یہی چاہتی ہے کہ اسے اس طرح کے قانون بنانے کا حق حاصل ہو جائے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ریاست مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی پابند ہو جائے۔ لہذا کسی شخص کو اس بات کا اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگر ریاست نے اپنے لئے اس قسم کا اختیار حاصل کر لیا ہے تو وہ فوراً ہی اس اختیار کا استعمال اور اس کو اس طرح نافذ بھی کر دے گی جو مسلمان یا عیسائیوں یا دوسرے فرقوں کے لئے قابل اعتراض ہو۔

کوئی بھی ریاست اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں کر سکتی جس کے باعث مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ ہو جانا پڑے اگر ریاست ایسا کرے تو میری دانست میں وہ پاگل پن ہوگا۔''

اس بحث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف دفعہ 44 کے تحت یکساں سول کوڈ کے خطرہ سے اپنے کو محفوظ کر لینے پر بات ختم ہو جاتی ہے، صورت حال یہ ہے کہ اس وقت بھی ملک میں چند ایسے قوانین نافذ ہیں جو مسلم پرسنل لا سے متصادم ہیں، ان میں خصوصیت سے (Special Marrige Act) قابل ذکر ہے۔ یہ قانون ہندوستان کی آزادی کے بعد ہماری پارلیمنٹ نے 1984ء میں بنایا ہے۔ اس کی رو سے نکاح کے لئے نہ تو جانبین کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے اور نہ ہی نکاح کے منعقد ہونے کے لئے کسی مذہبی رسم کا ادا کرنا۔ صرف حکومت کے ایک عہدہ دار کے پاس اس بات کا تحریری اقرار کافی ہے کہ طرفین قانون مذکورہ کے تحت رشتہ مناکحت میں بندھ رہے ہیں اور اس قانون کے تحت شادی کے بعد طرفین اور ان کی اولاد وراثت کے باب میں (indian succession Act) سے متعلق ہوں گے نہ کہ ان میں سے کسی ایک کے شخصی قانون وراثت سے، اس قانون کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ اگر طرفین ایک ہی مذہب کے ہوں یعنی مرد اور عورت دونوں ہندو یا دونوں مسلمان ہوں تب اس قانون کے تحت شادی کر لینے کے نتیجہ میں ان کا مذہبی قانون وراثت ان سے متعلق نہ ہوگا بلکہ مذکورہ بالا قانون Indian succession Act سے متعلق ہوگا جو ہندو قانون وراثت اور اسلامی قانون وراثت سے مختلف ہے۔ اس طرح کے تمام قوانین کو منسوخ کرانے کی ضرورت ہے یا یہ طے کرالیا جائے کہ ان قوانین کا اطلاق مسلمانوں پر نہ ہوگا۔ اسی طرح اس وقت عدالتوں میں محمڈن لا رائج ہے وہ فی الواقع اینگلو محمڈن لا ہے اور اس میں متعدد قوانین شریعت سے متصادم یا مختلف ہیں ان تمام قوانین پر نظر ثانی کر کے انہیں کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔

اس قسم کے غیر اسلامی قوانین یا قوانین مروجہ کے غیر شرعی اجزاء کو شریعت اسلامیہ کے مطابق بنانے کا کام ظاہر ہے کہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لئے وہی لوگ اہل ہیں جن کو کتاب وسنت کا کما حقہ علم حاصل ہو اور جو اسلامی فقہ، اسلامی فلسفہ قانون اور اسلامی تاریخ پر عبور کے ساتھ ساتھ ان معاملات میں بصیرت بھی رکھتے ہوں۔

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں بعض باتیں قابل توجہ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مسلمانوں کے مطالبات

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں حکومت سے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ:

(1) رہنما اصولوں میں سے دفعہ 44 منسوخ ہو۔ (2) مسلم پرسنل لا میں حکومت کوئی ترمیم نہ کرے۔ (3) اسپیشل میرج ایکٹ کا اطلاق مسلمانوں پر نہ ہو۔ (4) متبنیٰ بل ۷۲ء واپس لیا جائے یا کم از کم مسلمانوں کو اس کے دائرہ اثر سے خارج رکھا جائے۔ (5) حکومت آئندہ کوئی ایسا بل نہ لائے جس کی منشا یکساں سول کوڈ کو جزاء جزاء نافذ کرنا ہو، جیسا کہ وہ اس وقت کر رہی ہے۔ جب تک یہ مطالبات پورے نہ ہوں گے مسلمانوں کو چین نصیب نہ ہوگا اور وہ یہ محسوس نہ کر سکیں گے کہ ان کا دین وایمان اور ان کی شریعت وتہذیب ملک میں محفوظ ہے۔

یقیناً طوفان شدید ہے لیکن اگر حکمت ودانش عزم واتحاد اور توکل علی اللہ سے کام لے کر آگے بڑھیں تو نصرت ایزدی سے اس طوفان میں سے اپنے لئے راستہ نکال سکتے ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق

دستور ہند میں دئے گئے بنیادی حقوق کی روشنی میں

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

ہندوستان میں بنیادی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق

دستور ہند کی تدوین کے وقت دنیا کے کئی ممالک کے دساتیر کو سامنے رکھا گیا اور ان میں جو خوبیاں ہیں ان کو چن لیا گیا۔ دستور ہند کا تیسرا حصہ شہریوں کے بنیادی حقوق کے بارے میں ہے جو (۲۴) آرٹیکلس یا دفعات (دفعہ ۱۲ تا دفعہ ۳۵) پر مشتمل ہے۔ ان میں سے اہم دفعات کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے۔

دفعہ (۱۴) میں قانون کی نظر میں مساوات کی بات کہی گئی اور دفعہ (۱۵) میں مذہب، نسل، جاتی، جنس یا مقام پیدائش کی بنیاد پر امتیاز کی ممانعت ہے۔ اس میں خواتین اور بچوں کے لئے اور سماجی و تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ طبقات (بیاک ورڈ کلاس) اور شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ ٹرائبس کی ترقی کے لئے خصوصی قوانین بنانے اور اقدامات کرنے کے لئے استثنیٰ فراہم کیا گیا ہے۔

دفعہ (۱۶) میں عوامی ملازمت یا روزگار کے معاملات میں مواقع کی مساوات کو لازم قرار دیا گیا ہے اس میں بھی استثنیٰ کی شکل میں ان بیاک ورڈ کلاس کے لئے جن کی ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہ ہو اور اسی طرح شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ ٹرائبس کی ملازمتوں میں ترقی کے لئے تحفظات (RESERVATIONS) کی راہ نکالی گئی ہے۔

دفعہ (۱۷) چھوت چھات کے خاتمہ اور دفعہ (۱۸) خطابات (TITLES) کے طریقہ کو ختم کرنے سے متعلق ہے۔

دفعہ (۱۹) کا عنوان ''آزادیوں کا حق'' ہے اور اس میں ان بنیادی آزادیوں کو بیان کیا گیا ہے جو دستور ہند، ہندوستان کے شہریوں کو عطا کرتا ہے اور یہ ہیں:

(الف) آزادی اظہار و بیان

(ب) پرامن طریقہ پر اور اسلحہ کے بغیر جمع ہونے کی آزادی۔

(ج) انجمنیں (ASSOCIATIONS) اور یونین بنانے کی آزادی

(د) سارے ملک میں آزادانہ نقل و حرکت کی آزادی

(ھ) ملک کے کسی بھی حصہ میں بسنے اور رہائش اختیار کرنے کی آزادی

(ز) کسی پیشہ کو اختیار کرنے یا کسی ذریعہ آمدنی، ہنر یا تجارت کو اختیار کرنے کی آزادی ان آزادیوں کو چند شرائط کا تابع کیا ہے جو معقول اور مناسب ہیں۔

دفعہ (۲۰) میں جرائم پر سزا کے بارے میں اہم اصول بیان کئے گئے ہیں

(۱) صرف کسی قانون کی خلاف ورزی پر ہی سزا دی جاسکے گی اور قانون میں درج سزا سے زائد سزا نہیں دی جائے گی۔

(۲) کسی جرم کے تعلق سے ایک سے زائد مرتبہ استغاثہ نہیں ہوگا اور ایک سے زائد مرتبہ سزا نہیں دی جائے گی۔

(۳) کسی کو اپنے ہی خلاف گواہی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ (۲۱) میں زندگی اور شخصی آزادی کے تحفظ کو بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔ اس دفعہ کے تعلق سے عدالتی فیصلوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ زندگی کے حق میں عمدہ زندگی (DECENT LIFE) کا خلوت (PRIVACY) کا اور محنت (WORK) کے حقوق شامل ہیں۔

دفعہ (۲۲) میں گرفتاریوں اور نظر بندیوں (DETENTIONS) کے تعلق سے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ دفعہ (۲۳) میں انسانوں و بھیک منگوں کی تجارت اور منتقلی اور جبری محنت کی ممانعت ہے اور دفعہ (۲۴) کے ذریعہ بچوں سے فیکٹریز وغیرہ میں سخت محنت کروانے سے منع کیا گیا ہے

مذہبی آزادی کے حقوق

دفعہ (۲۵) مذہب وضمیر کی آزادی کے بارے میں ہے اور یہ آزادی صرف اقلیتوں کے لئے نہیں بلکہ تمام شہریوں کے لئے ہے ہندوستان کے ہر شہری کو ضمیر کی آزادی اور مذہب یعنی مذہبی عقیدہ رکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ وپرچار کی آزادی حاصل ہے یہ آزادی البتہ نظم عامہ، اخلاق، صحت اور دیگر بنیادی حقوق کے تابع ہے۔ یہ دفعہ ریاست کو کسی مذہب عمل سے وابستہ کسی معاشی مالیاتی، سیاسی یا دیگر سیکولر سرگرمیوں کو منضبط کرنے سے نہیں روکتا اور اس طرح کے موجود قوانین کو متاثر نہیں کرتا۔ نیز سماجی بھلائی (معاشرتی فلاح SOCIAL WELFARE) اصلاحات اور عوامی نوعیت کے ہندو مذہبی اداروں کو ہندوؤں کے تمام طبقات کے لئے کھولنے کی غرض سے ریاست کو قانون بنانے کا حق حاصل ہے۔ اس دفعہ کے ساتھ دو توضیحات منسلک ہیں، ایک یہ کہ کرپان رکھنا سکھ مذہب کے عقیدہ میں شامل ہے اور دوسرے یہ کہ اس دفعہ میں مستعملہ لفظ ہندو میں سکھ، جینی اور بدھ دھرم کو ماننے والے شامل ہیں۔

دفعہ (۲۶) میں نظم عامہ، اخلاق وصحت کے تابع ہر مذہبی فرقہ یا ذیلی فرقہ کو مذہبی امور کی آزادی کی بات کہی گئی ہے کہ وہ

(الف) مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لئے ادارے قائم کرسکتے ہیں اور چلا سکتے ہیں۔

(ب) مذہبی معاملات میں اپنے امور کا خود انتظام کرسکتے ہیں۔

(ج) منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد حاصل کرسکتے ہیں اور اپنی ملکیت میں رکھ سکتے ہیں

(د) ایسی جائیدادوں کا انتظام قانون کے مطابق کرسکتے ہیں۔

دفعہ (۲۷) میں کہا گیا ہے کہ کسی مذہب کے فروغ کے لئے ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا۔ دفعہ (۲۸) میں کہا گیا ہے کہ ریاست کے زیر انتظام یا ریاست کے فنڈ سے چلنے والے تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی البتہ اس ممانعت سے ریاست کے زیر انتظام وہ تعلیمی ادارے مستثنٰی ہیں جنھیں کسی انڈومنٹ یا ٹرسٹ نے قائم کیا تھا اور جن کے قیام کی غرض وغایت میں مذہبی تعلیم داخل ہے، اس دفعہ میں یہ شق بھی ہے کہ ریاست کی جانب سے مسلمہ یا ریاست کی جانب سے رقمی امداد پانے والے تعلیمی ادارے میں کسی کو مذہبی تعلیم میں شریک ہونے یا مذہبی عبادت میں حصہ لینے کا پابند نہیں کیا جائے گا بجز اس کے کہ وہ شخص یا اس کا سرپرست اس کے لئے رضامندی دے۔

اقلیتوں کے حقوق

اس کے بعد کی دو دفعات ثقافتی اور تعلیمی حقوق سے متعلق ہیں، ان میں لفظ اقلیت (مائناریٹی) استعمال ہوا ہے اور عموماً ان کو ہی اقلیتوں کے حقوق کی دفعات سمجھا جاتا ہے جو پوری طرح صحیح نہیں ہے، مذہبی اقلیتوں کے لئے دفعہ ۲۵، ۲۶ اور ۲۸ کی بڑی اہمیت ہے جو تمام شہریوں کے لئے مذہبی آزادی سے متعلق ہیں۔ اس سے پہلے یہ بات بھی واضح کی جا چکی ہے کہ زندگی کے حق اور مساوات کے حق اور ان دونوں پر مبنی دیگر حقوق بھی اقلیتوں کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان کے بغیر اقلیتوں کے حقوق کوئی معنی نہیں رکھتے۔

دفعہ (۲۹) میں کسی زبان، رسم خط یا ثقافت کی بنیاد پر اقلیت قرار پانے والے گروہ کو اپنی زبان، رسم خط یا ثقافت کے تحفظ وبرقراری کا حق دیا گیا ہے۔ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ ریاست کے زیر انتظام یا ریاستی فنڈ سے امداد پانے والے تعلیمی ادارے میں صرف مذہب، نسل، جاتی، زبان کی بنیاد پر داخلہ دینے سے انکار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ (۳۰) میں اقلیتوں کو تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق دیا گیا ہے کہ ہر مذہبی ولسانی اقلیت کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا اور ریاست امداد دینے کے معاملہ میں اقلیت کے زیر انتظام تعلیمی اداروں سے امتیاز نہیں برتے گی۔

دستور ہند کے اس حصہ میں بیان کردہ ان بنیادی حقوق کی اہمیت اتنی ہے کہ اگر ان حقوق کا اخلاف یا ان حقوق پر پابندیاں عائد کی جائیں تو دفعہ 32 کی رو سے سپریم کورٹ سے رجوع ہوکر ان حقوق کی بحالی کے احکامات حاصل کئے جاسکتے ہیں، قانون کے اس جز کو جس میں کسی بنیادی حق کو ختم یا کم یا غیر ضروری شرائط کا پابند کیا گیا ہے، سپریم کورٹ بے اثر اور کالعدم قرار دے سکتا ہے۔ اس نوعیت کے کسی بھی حکمنامہ کو بے اثر اور مسترد کرسکتا ہے، دستور ہند کی دفعہ (۲۲۶) کے ذریعہ بنیادی حقوق کے تعلق سے ایسے ہی اختیارات ملک کے تمام ہائیکورٹس کو دیے گئے ہیں۔

جہاں تک آئین وقوانین کا تعلق ہے، بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں اقلیتوں کو وہ تمام تحفظات حاصل ہیں جنھیں عالمی سطح پر اور بین الاقوامی اداروں کی جانب سے مہذب معاشرہ کے لئے اور اقلیتوں کو اپنی انفرادیت اور خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں اقلیتوں کی حقیقی صورتحال

ہندوستان کے دستور کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اقلیتوں کو وہ سب کچھ حاصل ہے جن کی وہ توقع کر سکتے ہیں اور جن پر بین الاقوامی اعلانات میں زور دیا گیا ہے مگر جب زمینی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں تو صورت حال بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ پہلے ہم ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمانوں کا جائزہ لیں گے۔

ہندوستان میں آزادی کا سورج مسلمانوں کے خون کی سرخی میں طلوع ہوا۔ دارالحکومت دہلی میں مسلمانوں پر حملے ہوتے رہے، ان کو قتل کیا جاتا رہا مگر حکومت اوراس کے ذمہ داروں میں سے کسی نے اس کو فوری روکنے اور قاتلوں اور غارت گروں کو قانون کی گرفت میں لانے کی کوشش نہیں کی۔ دہلی کی کہانی ملک کے کئی علاقوں اور مقامات پر دہرائی گئی۔ سونچا گیا کہ ملک کی تقسیم کے ذریعہ پاکستان بنانے کا ردعمل ہے جس کے لئے ہندو، مسلمانوں کو ذمہ دار سمجھتے ہیں اور جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے، تقسیم کا زخم مندمل ہوگا اور مسلمانوں کو امن وچین نصیب ہوگا۔ ۱۳؍سال بعد ہوئے جبلپور کے خوں ریز بھیانک فسادات نے اس سونچ کے کھوکھلے پن کو ظاہر کردیا۔ مسلم کش فسادات کا حال یہ ہے کہ کسی نے بڑا صحیح ریمارک کیا کہ ہم ہندوستان کے جغرافیہ سے فسادات کے ذریعہ واقف ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کونسا مقام اور کونسا شہر کہاں ہے۔ ہر مسلم کش فساد کے بعد اس کے اسباب وعلل پر لکھا اور کہا جاتا ہے، بڑے فسادات کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیشنوں کے ذریعہ چھان بین بھی کروائی گئیں۔ ان کمیشنوں نے اپنی رپورٹس بھی حکومتوں کے حوالے کیں۔ ان سب کے باوجود مسلم کشی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ آج بھی معمولی معمولی باتوں اور چھوٹے چھوٹے واقعات پر مسلمانوں کا خون بہایا جاتا ہے، ان کی دکانیں نذر آتش کردی جاتی ہیں، ان کے مکانات اور ان کی املاک کو مسمار کیا جاتا ہے۔

فسادات کے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ خوں ریز اور تباہ کن گجرات کے ۲۰۰۲ء کے فسادات ہیں، جن کو مسلمانوں کی نسل کشی کہا جانا چاہیے۔ گجرات کی اس مسلم نسل کشی میں ریاستی حکومت، ریاستی انتظامیہ اور بالخصوص پولیس کا رول انتہائی قابل اعتراض رہا۔ یہ ریاستی ادارے مسلمانوں کی نسل کشی اور قتل عام میں ملوث رہے۔ ریاستی حکومت سے تو کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ اس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون میں رنگے ہوئے تھے، اس وقت کی مرکزی حکومت کی ذمہ داری تھی مگر این۔ڈی۔اے کی حکومت نے کچھ نہیں کیا، اس کے بعد برسراقتدار آئی یو۔پی۔اے کی حکومت نے بھی چپ سادھ رکھی۔ اب کچھ عرصہ سے سپریم کورٹ کے احکامات کی وجہ سے یہ امید بندھ رہی ہے کہ گجرات کے قاتلوں اور غارت گروں کے چہرے بےنقاب ہوں گے۔ گجرات کی یہ مسلم کشی ہر پہلو سے نسل کشی (GENOCIDE) ہے جس کو بین الاقوامی قانون سنگین جرم قرار دیتا ہے اور اس میں ملوث مجرم چاہے دستوری حکمراں اور سرکاری عہدیدار ہی کیوں نہ ہوں، ان کو سزا دینے کی ذمہ داری ریاست پر عائد کرتا ہے۔ گجرات کی اس مسلم کشی کو نسل کش قرار دے کر ریاستی حکومت کو برخاست کرنے اور اس کے ذمہ داروں کو قانون کی گرفت میں لاکر سزا دلانے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ ان اقدامات کے لئے جس سیاسی قوت ارادی کی ضرورت ہے وہ یو۔پی۔اے۔ کی اس حکومت میں بھی نظر نہیں آئی جو ۲۰۰۴ء کے الیکشن کے بعد برسراقتدار آئی۔

مسلم کش فسادات کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر طوالت کے خوف سے کئی پہلوؤں کو چھوڑتے ہوئے چند اہم پہلو پر اکتفا کروں گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فساد سے پہلے فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کی جاتی ہے، تقریروں اور تحریر کے ذریعہ، افواہوں اور جھوٹے الزامات کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف ہندو برادران وطن کو مشتعل کیا جاتا ہے اور ایسی فرقہ وارانہ کشیدہ فضا میں ایک بہت ہی معمولی سا واقعہ فسادات کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ فسادات کے انسداد کے لئے ضروری ہے ایسی تحریروں اور تقریروں اور افواہ بازیوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے قانون تعزیرات ہند (INDIAN PENAL CODE) میں ان کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس میں ملوث افراد کو سزا دلائی جاسکتی ہے۔ مگر ریاستی حکومتیں، عہدیدار اور پولیس آنکھیں بند کئے رہتے ہیں اور آج تک ایسے نافرض شناس عہدیداروں کے خلاف کسی حکومت نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ آر۔ایس۔ایس اور اس کی محاذی تنظیمیں اور ادارے، ہندو راشٹر کے نظریے کے تحت مسلمانوں کے خلاف مسلسل نفرت پھیلاتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ یہ ملک صرف ہندوؤں کا ہے' مسلمان یا تو ہندو دھرم قبول کریں یا پھر ملک چھوڑ کر چلے جائیں، کسی غیر ہندو کو ملک میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے، مسلمانوں کے خلاف عدم رواداری کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ راوڑکیلا کے فسادات کی چھان بین کے بعد گاندھی پیس فاونڈیشن نے '' بھیونڈی''

جلگاؤں اور مہاراشٹر کے فسادات کی تحقیقات کے بعد جسٹس ڈی۔پی۔مادن نے اور کئی فسادات کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹس میں آر۔ایس۔ایس، سیوک سنگھیوں کی بنائی گئیں مقامی تنظیموں اور ان کی مخالف مسلم اشتعال انگیزیوں کو ذمہ دار قرار دیا مگر آر۔ایس۔ایس یا اس کے مخالف مسلم نظریات کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دینے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اگر پولیس فرض شناس ہو، فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا نہ ہونے دے تو مسلم کشی کے واقعات رونما نہیں ہوسکتے ہیں۔مگر ہر فساد میں دیکھا گیا کہ پولیس نہ صرف فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے والوں کی طرف آنکھیں پھیر لیتی ہیں بلکہ فساد پھوٹ پڑنے کے بعد فسادیوں کو کھلی چھوٹ فراہم کرتی ہے بلکہ خود مسلمانوں کے قتل اور ان کی املاک کی تباہی میں شریک ہوجاتی ہے۔کئی تحقیقاتی کمیشن نے جن میں ممبئی میں ۱۹۹۳ء میں ہوئے فسادات کی تحقیقات کرنے والا جسٹس بی۔سری کرشنا کمیشن بھی شامل ہے، ایسے پولیس عہدیداروں کی نشاندہی کی جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے۔ان پولیس آفیسرس کے خلاف ایسی سخت کارروائی ضروری ہے جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ عموماً تو ان کے خلاف کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں کی گئی اور اگر کی گئی تو تنخواہ کے ایک تدریجی اضافہ کو رکنے یا سنیاریٹی کی فہرست میں نام کو نیچے کرنے کی حد تک۔ ایسی کارروائیاں دوسروں کے لئے عبرت کا سامان قطعاً فراہم نہیں کرسکتیں۔ پولیس اور انٹلی جنس میں ایسے عہدیداروں کی کمی نہیں ہے جو ذہنی طور پر ہندوراشٹر کے نظریے سے وابستہ ہیں۔اس لئے خاطی پولیس ملازمین کو عبرتناک سزائیں دینے کے ساتھ پولیس اور عہدیداران پولیس کی وقفہ وقفہ سے ذہنی تربیت ضروری ہے اور دستور، ہندوستانی قومیت کے جس تمدنی تعدد کے نظریے کو پیش کرتا ہے اس کو ان کے ذہن میں اتارنا ضروری ہے۔

عدم رواداری، تنگ نظری، مذہب، زبان یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے شہریوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے والی پارٹیز بڑے منظم طریقہ پر عوام کو متاثر کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔سیکولرزم کی دعویدار سیاسی جماعتوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عوام کے ذہن وفکر کو اپنے نظریات کے مطابق بتانے کی کوشش کریں۔گجرات کی مسلم نسل کشی کے واقعات اتنے دردناک ہیں کہ سنگ دل سے سنگ دل بھی دل میں درد محسوس کرتا ہے۔مگر کسی سیکولرزم کی دعویدار سیاسی پارٹی نے گجرات کے عوام میں جاکر ان کے انسانیت کے جذبات کو ابھارنے اور ہندوستانی قومیت کے حقیقی تصور کو پیش کرنے اور فرقہ وارانہ قتل وغارت گری سے ملک کے کمزور ہونے کو پیش نہیں کیا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کے عوام میں اپنے کئے پر ندامت کا احساس پیدا نہیں ہوا، اس کے برخلاف کئی طبقات میں اپنی درندگی پر فخر کے جذبات پائے جاتے ہیں۔۱۹۷۰ء ۔۱۹۸۰ء کے دہے میں سامپردائکتا ورودھی سمیتی نامی تنظیم کو مسز سبھدرا جوشی نے آگے بڑھایا تھا جس نے ہندوراشٹر کے فسطائی نظریے کے خلاف کئی کتابچے شائع کئے، اخبارات میں مضامین چھپوائے ملک کے مختلف مقامات پر مباحثوں، تقاریر اور سمینارس کا انتظام کیا جس کی وجہ سے ہندوتوا کی فسطائیت کے خلاف ذہن بننے لگا۔آج ایسی کوششوں کی زیادہ ضرورت ہے۔مگر سیکولرزم کی دعویدار پارٹیز الیکشن کے موسم میں ہی سرگرم ہوتی ہیں۔جبکہ ان کو عوام کے ذہن وفکر کو بنانے کے لئے ہروقت میدان میں رہنا چاہئے اور جارحانہ فرقہ پرستی کے خلاف عوام کو خبردار کرنا اور ان میں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا عزم اور ارادہ پیدا کرنا چاہئے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ملک میں صرف مسلمانوں ہی کی جان ومال کی آزمائش ہوتی ہے، دوسری اقلیتوں کو کوئی نہیں چھیڑتا لیکن اس کی تردید دہلی میں سکھ بھائیوں کے قتل عام سے اور اڑیسہ وکرناٹک میں عیسائیوں پر خوں آشام حملوں سے ہوگئی۔ان واقعات کے بعد سکھ برادری بھی اور عیسائی اقلیت بھی یہ محسوس کرنے لگی کہ صرف مسلمانوں ہی پر قاتلانہ اور غارت گرانہ حملوں کا خطرہ نہیں منڈلاتا ہے اب وہ بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ ملک کی اکثریتی جارحانہ فرقہ پرستی ان کے وجود کو بھی چیلنج کرنے لگی ہے۔بہرحال جب اولین بنیادی حق یعنی جان ومال وآبرو کے حق کی بات آتی ہے تو افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں اقلیتوں کے اس اہم اور بنیادی حق کو پامال کیا جاتا رہا۔

مسلم اقلیت کے تعلق سے ایک اور مسئلہ کو میں یہاں پیش کرنا چاہوں گا۔وہ ہے بابری مسجد کا مسئلہ، اس مسئلہ کے تعلق سے یہ قطعاً نہ سمجھا جائے کہ صرف یہ ایک مسجد کا مسئلہ ہے۔یہ دراصل مسلمانوں کی تمام مساجد اور دیگر اقلیتوں کی تمام عبادت گاہوں کا مسئلہ ہے۔آر۔ایس۔ایس ودیگر ہندوراشٹروادی اس بنیاد پر بابری مسجد کو شری رام کی جائے پیدائش بتارہے ہیں کہ ان کے بقول شری رام کی مورتی نے اس جگہ سے برآمد ہوکر اپنی جائے پیدائش کی نشاندہی کردی ہندو برادران وطن کے کروڑوں دیویوں دیوتاؤں میں ہر ایک اس طرح اپنی جنم بھومی کو بتانے لگے تو پھر کونسی مسجد، کونسا گرودوارہ اور کونسی چرچ بچ سکے گی زمین

سے مورتی برآمد کرنا، صحیح الفاظ میں وہاں لے جاکر رکھنا اور برآمد ہونے کا اعلان کرنا کوئی دشوار اور ناممکن کام نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہندو راشٹر وادی کی حکمت عملی یہ ہے کہ اقلیتوں میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص خوف کا احساس گہرا کیا جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اگر ہم اپنے مذہب سے وابستہ رہتے ہیں تو اس کو ملک میں نہ ان کی جان سلامت رہے گی اور نہ ان کا مال محفوظ رہے گا اور جیسے جیسے یہ احساس گہرا ہوتا جائے گا ان کا ذہن اپنے مذہب کو چھوڑ کر ہندو دھرم کو قبول کرنے پر مائل ہوتا جائے گا یہ ہندو راشٹر وادی اب اس خوف میں ایک اور خوف کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ تمہاری عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی، جس وقت اور جب چاہیں تمہاری عبادتگاہوں کو مسمار کیا جاسکتا ہے، پولیس اور حکومت بھی رکاوٹ نہیں بنے گی۔ اگر تم اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت چاہتے ہو تو اس کی بھیک ہم سے مانگو، ہم چند عبادت گاہیں تم سے لے کر چند تمہارے لئے چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ ہے مسلمانوں کے اندر خوف کو گہرا اور خوف میں اضافہ کرنے کی **اسٹرٹیجی**۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم ہندو راشٹر وادیوں سے دوٹوک انداز میں کہنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کی نفسیات کو نہیں سمجھا ہے۔ ان پر مصیبت آتی ہے تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ مصائب سے ڈر کر، جان و مال کے نقصان سے گھبرا کر اپنے دین اور اپنے ایماں سے دستبردار ہونے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ان واقعات نے ان میں اپنے دین و ایمان پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ارادے اور عزم کو بڑھا دیا ہے۔ اے ہندو راشٹر وادیو، تم نے ملک میں سینکڑوں قتل و غارت گری کے ہنگامے برپا کئے اور ان میں ایک بھی بدبخت مسلمان ایسا نہیں نکلا جو یہ کہے کہ مجھ پر خنجر نہ چلاؤ، میرے گھر کو نہ جلاؤ، میری دکان کو نہ لوٹو میں اپنے دین و ایمان کو چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔ مسلمان نیک عمل کے اس معیار پر جو اسلام پیش کرتا ہے نہ اترتا ہو مگر جہاں تک اس کے دل کے اندر ایمان کا تعلق ہے ایک مومن کی مضبوطی اور استقامت موجود ہے۔

بابری مسجد کا مسئلہ حکومت کی ناکامی کی داستان ہے۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ موجودہ ایودھیا، شری رام چندر جی کی افسانوی ایودھیا نگری نہیں ہے اور یہ کہ بابری مسجد، ایسی جگہ پر جہاں کوئی مندر واقع نہیں تھا، بابر نے نہیں بلکہ بابر کے مقرر کردہ عامل میر باقی تاشقندی نے بنائی۔ ان تاریخی مقام کے برعکس کئی جھوٹی کہانیاں گھڑی گئیں اور ان کا زبردست پرچار کیا گیا اور ایسی افواہوں کے ذریعہ بابری مسجد اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی گئی۔ نفرت انگیز افواہوں کا پھیلانا قانون تعزیرات ہند کے تحت جرم ہے مگر ارباب حکومت نے نفرت کے ان بیوپاریوں کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں کی۔

بابری مسجد کے معاملے میں شری لال کرشن اڈوانی کی رتھ یاترا سے لے کر اس تاریخی مسجد کی عمارت کے انہدام تک اور انہدام سے لے کر آج تک مسلمانوں کو بجاطور پر اتنی شکایتیں ہیں کہ ان کے بیان سے یہ مضمون طویل اور منہ کا مزہ خراب ہوجائے گا۔ مسجد کے انہدام کی تحقیقات کے لئے تشکیل دیئے گئے کمیشن نے ۱۷ر سال بعد ۳۰ر جون ۲۰۰۹ء کو رپورٹ پیش کی ہے، انہدام کے ملزمین کے خلاف فوجداری کارروائی ایک عدالت میں معرض التوا میں ہے کب شروع ہوسکے گی کہا نہیں جاسکتا، دوسری عدالت میں بڑی سست رفتاری سے کچھ عرصہ پہلے شروع ہوئی ہے بہرحال اس مسئلہ میں حکومت کے طرز عمل کی وجہ سے ہندوستانی جمہوریت پر سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھتا جارہا ہے۔ جمہوریت نام ہے قانون کی عملداری اور حکمرانی کا اور یہ اصول مسلسل پامال ہوتا جارہا ہے۔

مسلمانوں کے ایک اور مسئلہ کا ذکر میں یہاں کرنا چاہوں گا۔ مسلم پرسنل لا یعنی مسلم فیملی لا مسلمانوں کے دین اور ایمان کا جز ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے میں برادران وطن کو دشواری محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ ہندو برادران وطن کے پاس ان معاملات میں ان کے دھارمک قانون کی اہمیت بس اتنی ہے کہ اگر ان کے علاقے میں یا ان کے کسی طبقہ میں کوئی رواج ہے جو قانون کے مطابق نہیں ہے تو برتری رواج کو حاصل ہوگی اور دھارمک قانون پس پشت ڈال دیا جائے گا۔

عیسائیوں میں پروٹسٹنٹ فرقہ تو لاآف دی لینڈ (LAW OF THE LAND) کا قائل ہوگیا ہے اس لئے ان کے پاس مذہبی قانون کی خاص اہمیت نہیں ہے۔ برادران وطن مسلمانوں کی اپنے پرسنل لا سے وابستگی کے جذبہ کو سمجھیں یا نہ سمجھیں، انہیں اور ملک کو اتنی بات تو سمجھ لینا چاہئے کہ جب دستور کی دفعہ (۲۵) میں عقیدہ کے مطابق عمل کی آزادی کو بنیادی حق تسلیم کرلیا گیا ہے اور مسلمان اپنے پرسنل لا کو مذہب و عقیدہ کا اہم حصہ سمجھتے ہیں تو ان کو یہ حق دیا جانا چاہئے۔ دفعہ (۲۹) میں اقلیتوں کو اپنے کلچر کے تحفظ اور اس کی برقراری و فروغ کا حق دیا گیا ہے اور اس حق کی رو سے بھی مسلمانوں کے مسلم پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔

مسلمانوں کے حقوق اور ان کے مسائل کے اور بھی کئی پہلو ہیں، اردو بہرحال اب مسلمانوں کی زبان اور ان کا کلچر بن گئی ہے (بقیہ صفحہ:۶۴ر پر)

جنرل سکریٹری بورڈ کا ایک اہم مکتوب

مکرم ومحترم! زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ کی صحت اچھی ہواور مزاج گرامی ہر طرح بعافیت ہو

آپ کو اطلاع مل چکی ہوگی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بائیسواں اجلاس ۲۰/۲۱/۲۲/اپریل ۲۰۱۲ء روز جمعہ سنیچر واتوار کو ہندوستان کے تاریخی شہر ممبئی میں منعقد ہورہا ہے۔ مجلس استقبالیہ تشکیل پاچکی ہے اور ارکان استقبالیہ پورے جوش ایمانی کے ساتھ اجلاس کو کامیاب بنانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ دراصل ہمارے ملی تشخص کی حفاظت کا ایک مشترکہ ومتحدہ پلیٹ فارم ہے، جس کا بنیادی مقصد شریعت اسلامی کی اس خاص حصہ کی خصوصی طور پر حفاظت کرنا ہے، جس کو مسلم پرسنل لا کہا جاتا ہے، جس کا تعلق ہمارے عائلی مسائل اور خانگی زندگی سے ہے۔ اس طرح شعائر اسلام کا تحفظ بھی ہمارے مقاصد کا اہم حصہ ہے، شعائر اسلام میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جن سے ہماری پہچان بنتی ہے۔ جیسے ہماری مسجدیں، خانقاہیں، ہمارے قبرستان اور ہمارے دینی مدارس جو پورے ملک میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ملک کے دستور نے ہر مسلمان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے، مذہب کی تبلیغ و اشاعت اور مذہبی وتعلیمی ادارے، جدید عصری تعلیم کے اسکول اور کالج قائم کرنے کا حق دیا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس دستوری حق کے لئے ہمیشہ مسلم پرسنل لا اور شعائر اسلامی کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کا جواب دیتا رہا ہے۔ قانون ساز اداروں یا عدالتوں کے ذریعہ جب بھی ہمارے اس حق میں مداخلت کی کوشش کی گئی یا مخالفانہ فیصلے کئے تو بورڈ نے پوری قوت سے اس کا جواب دیا۔ بورڈ کا لیگل سیل ہمیشہ اس معاملہ میں کوشش میں رہتا ہے اور بروقت کارروائی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ خود مسلمانوں کو دین پر قائم رکھنے اور شریعت اسلامی کا پابند بنانے اور مسلم پرسنل لا پر صحیح طور سے عمل کرنے کی تحریک چلاتا رہا ہے۔ اصلاح معاشرہ تحریک، تفہیم شریعت، دارالقضاء کا قیام تاکہ مسلمان اپنے گھریلو جھگڑوں کو دوسری جگہ بھیجنے کے بجائے دارالقضاء میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق طے کرلیں۔ مسلم معاشرہ کی اصلاح یعنی ایسے صالح معاشرہ کی تعمیر وتشکیل جس میں کوئی شخص شریعت اسلامی سے انحراف کی ہمت نہ کرسکے۔

الحمدللہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک پر اب تمام مسلم جماعتیں اور ادارے اپنی اپنی سطح سے اصلاح معاشرہ کا کام کررہے ہیں اور اس سے عوام کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

اس وقت وقف کے قانون میں ترمیم کا مسئلہ ہے۔ رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ جس سے ہمارے مدارس و دینی مکاتب کو شدید خطرہ لاحق ہے اس میں واضح ترمیم کرانا ہے تاکہ دینی مدارس اور مکاتب کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا جائے۔ اس کے علاوہ انکم ٹیکس سے متعلق جس میں مساجد، مدارس اور اوقاف سبھی آجاتے ہیں اس سلسلہ میں بھی ترمیم داخل کی گئی ہے اور اس کے لئے آئینی حقوق بچاؤ تحریک پورے ملک میں جاری ہے اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

موجودہ حالات میں ہمارے سامنے ایک اہم مسئلہ بورڈ کے مالی استحکام کا ہے تاکہ بورڈ کے مقاصد کی اشاعت اور اصلاح معاشرہ سے متعلق ضروری ومفید لٹریچر کی تیاری اور اسے پورے ملک میں پہونچانا، ملک کے مختلف شہروں میں دارالقضاء کا قیام اور باصلاحیت قاضی کا تقرر کرنا، اسی طرح مختلف عدالتوں جیسے ہائی کورٹس وسپریم کورٹ میں ہمارے خلاف دائر ہونے والے رٹ پٹیشن اور دوسرے مقدمات کا دفاع بھی ایک لازمی کام ہے۔ بورڈ کے ذمہ داروں کو کبھی کبھی مرکزی اور ریاستی حکمرانوں اور سیاست دانوں سے بھی رابطہ پیدا کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے وفود بھی ترتیب دینا، ملک کے مختلف شہروں میں تفہیم شریعت تحریک کے تحت علماء اور وکلاء کے مشترک اجتماعات منعقد کرنا تاکہ فقہ اسلامی اور جدید قانون پر باہمی مذاکرات اور تبادلہ خیال ہوسکے۔ یہ بھی ایک بہت ہی مفید کام ہے۔

ان سب امور کو منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر چلانے اور انجام دینے کے لئے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جب کہ آپ کے اور اہل خیر حضرات کے گرانقدر عطیات کے سوا بورڈ کے لئے آمدنی کا کوئی اور دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ حضرات اراکین بورڈ فیس رکنیت کے علاوہ بطور خود یا اپنے حلقہ سے خصوصی عطیات کا نظم کریں اور حضرات مدعوئین جو بورڈ کے کاموں سے اور اس کی اہمیت وافادیت سے واقف ہیں وہ بھی خاص طور پر اپنی طرف اور اپنے حلقہ احباب وحلقہ اثر سے ایک معقول رقم کا نظم فرماکر مرکزی دفتر دہلی کو ارسال کریں۔ یہ زیادہ بہتر ہے، اگر تاخیر ہو تو ممبئی اجلاس کے موقعہ پر ضرور پیش فرمادیں تاکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مالی اعتبار سے بھی مستحکم اور مضبوط ہو اور اس کے سارے پروگرام وقت پر انجام پاسکیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی محنت اور مساعی جمیلہ کو کامیاب کرے اور قبول فرمائے۔

والسلام

سید نظام الدین

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

۵/مارچ ۲۰۱۲ء

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.